جامعہ مدنیہ لاہور کا علمی، ادبی اور اصلاحی مجلہ

قسط نو ۹

غزل امین گیلانی

قسط ۱۰

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

نگرانِ اعلیٰ :-

حضرت مولانا سید حامد میاں مدظلہ مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ○

شعبان سنہ ۱۳۹۱ھ

اکتوبر سنہ ۱۹۷۱ء

: فون :

۶۲۹۳۲

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

لاہور

جلد : ۲

شمارہ : ۵

: قیمت :

۶۵ پیسے

مدیرِ اعزازی : پروفیسر یوسف سلیم چشتی

مدیرِ معاون : حبیب الرحمٰن اشرف

مرتب : حبیب الرحمٰن اشرف

فاضل جامعہ مدنیہ لاہور

پتہ : جامعہ مدنیہ ○ کریم پارک ○ راوی روڈ ○ لاہور

اِس شمارے میں

اداریہ :		۳
کچھ انوار مدینہ کے بارے میں :		۶
اُولٰئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْن :	حضرت مولانا سیّد محمد میاں مدظلہ	۹
نعت :	محترم مولانا قدرت اللہ صاحب قدرتؔ	۲۸
حیات شیخ الاسلام :	حضرت مولانا سیّد محمد میاں مدظلہ	۲۹
شعبان کے فضائل :	مولوی حافظ عبدالرشید صاحب	۳۴
غزل :	الحاج سیّد امین گیلانی	۳۹
اقتصادی اور سیاسی مسائل :	حضرت مولانا سیّد محمد میاں مدظلہ	۴۰
جامعہ مدنیہ :	محترم الحاج محمود احمد عارف	۵۳

بدل اشتراک	سالانہ : ۷ روپے	طلبہ کے لیے ۵ روپے	فی پرچہ ۶۵ پیسے

سیّد حامد میاں مہتمم جامعہ مدنیہ طابع وناشر نے مکتبہ جدید پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ انوار مدینہ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاہدۂ تاشقند کی دھجیاں

۱۹۶۵ء میں پاک و ہند معاہدۂ تاشقند کا ایک اہم جزو یہ تھا کہ ایک دوسرے کے خلاف پراپیگنڈا نہ کیا جائے گا۔

لیکن ہندوستان نے اس معاہدہ کی جس طرح دھجیاں بکھیری ہیں وہ آج پوری دنیا پر عیاں ہیں۔

۱ — اس نے مشرقی پاکستان کے حالیہ بحران کو پاکستان کا داخلی معاملہ نہیں رہنے دیا۔

۲ — نام نہاد "بنگلہ دیش" کی حمایت میں مسلح تخریب کاروں کی بھرپور امداد کی۔

۳ — اسے ساری دنیا کے سامنے ایک مسلّمہ حقیقت بنا کر پیش کیا۔ (حتیٰ کہ اس کی جُدا حکومت قائم کرنے کے لیے کئی ماہ سے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔)

کیا یہ معاہدۂ تاشقند کی پابندی ہو رہی ہے؟

ایسی صورت میں پاکستان جتنی ضرورت پڑے۔ اتنا قدم اٹھائے تو کیا اسے جارح کہا جائے گا؟

اور کیا پاکستان پر اپنی حفاظتی کاروائیاں کرنی واجب نہیں ہوتیں؟

دراصل روس کو اس معاملہ میں وہی کردار ادا کرنا چاہیئے تھا جو اس نے معاہدۂ تاشقند کے وقت کیا تھا۔ اور معاہدۂ تاشقند کی مذکورہ شرط کے ذیل میں وہ ہندوستان کو مجبور کرتا کہ وہ "بنگلہ دیش" کا نام زبان پر لانا بند کر دے اور پاکستان کے اس داخلی معاملہ کو پاکستان کا داخلی معاملہ ہی واضح کرنے میں مدد دیتا۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ پاکستان مشرقی اور مغربی دو حصوں میں واقع ہے؟

کیا پاکستان کے مشرقی حصّہ کو "مشرقی پاکستان" کا نام آج دیا گیا ہے۔ یا شروع ہی سے یہی نام چلا آرہا ہے؟ جب یہ خطّہ شروع ہی سے پاکستان چلا آرہا ہے تو حکومتِ روس کو اس کے منافی نظریات کے حامل و مؤید بھارت کو مکمل طرح خاموش کرکے اپنے کرائے ہوئے معاہدہ کی حفاظت کرنی چاہیئے۔

— زبان —

ہمارے ملک میں علاقائی زبانوں کو ہمیشہ آزادی حاصل رہی ہے، لیکن ذہنی غلامی میں ہم آج تک گرفتار ہیں اور انگریزی کو آج بھی دفتری بالادستی حاصل ہے۔

اگر ہم غور کریں تو ہماری مذہبی زبان کو جو عربی ہے، سب پر فوقیت حاصل ہونی چاہیئے اور جس طرح ہم انگریزی جیسی مشکل اور ثقیل زبان کو سیکھتے ہیں اس طرح ہمیں عربی سیکھ لینی بھی ممکن ہے۔ بلکہ عربی زبان انگریزی سے آسان ہے، کیونکہ :۔

۱ — انگریزی زبان کا تلفظ مشکل ہے۔

۲ — حروفِ تہجی اور رسم الخط بالکل ہی جُدا ہے۔

۳ — اس میں خاموش حروف بہت جگہ لکھے جاتے ہیں پڑھے نہیں جاتے گویا ہر حرف کے ساتھ ایک دردسری کرنی پڑتی ہے کہ اس کے اسپیلنگ یاد کیے جائیں اور عمر بھر کبھی غلطی نہ ہونے پائے۔ یہی وجہ ہے کہ بچپن سے اسے سکھانا شروع کرتے ہیں اور کئی سال گذرنے پر ہی طالب علم اس کے پڑھنے پر قادر ہوتا ہے اور بولنے پر ہر ایک پھر بھی قادر نہیں ہوتا۔

اس کے برخلاف :

۱ — عربی کا تلفظ بہت ہی سہل ہے۔ حتیٰ کہ ایک جاہل بھی سورتیں سیکھ لیتا ہے اور نماز میں سورتوں کے علاوہ عربی کے دوسرے کلمات بھی بآسانی ادا کرتا ہے۔

۲ — اس میں قدرتی حلاوت ہے کہ قرآن پاک جو نظم میں نہیں نثر میں ہے ہر سننے والے کو ایک کیف بخشتا ہے۔

۳ — اردو سے اس کا رسم الخط ملتا جلتا ہے اور ہمارے ملک کے ایک صوبہ "سندھ" کا علاقائی رسم الخط

ہی عربی ہے۔ نیز وہی اب ٹائپ کے کام بھی آرہا ہے اور جدید نصاب تعلیم میں لاہا بھی جا رہا ہے۔

۴ مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کو بھی اس کے قبول کرنے میں تامل نہیں ہو سکتا۔

۵ اس کے بہت سے کلمات ہر زبان میں شامل ہیں خصوصاً اردو میں۔

اس لئے فی الحقیقت یہ زبان ہی دفتری زبان بننے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہے۔ مزید برآں ہمارے پڑوسی حصہ "مسقط" سے لے کر الجزائر و مراکش تک یہی زبان بولی جاتی ہے۔ اگر ہمیں یہ زبان آجائے تو ہمیں بہ نسبت انگریزی ممالک کے اپنی برادری کے مسلم ممالک سے بہت زیادہ امداد مل سکتی ہے جن کی ہمہ قسم پر خلوص ہمدردیاں ۱۹۶۵ء سے ہمارے ساتھ ہیں اور روز افزوں ہیں۔ ان ممالک میں ہمارے لیے ملازمتوں کے علاوہ تجارتی پھیلاؤ کے نہایت وسیع مواقع موجود ہیں جن سے ہم بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں لہٰذا اگر عربی زبان پنجسالہ منصوبوں میں لازمی کر دی جائے تو ایک ہی پنجسالہ منصوبے میں تمام دفتری زبان عربی ہو سکتی ہے اور نہایت ہی سہولت سے مذکورہ بالا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

رہزنی

جب مارشل لاء نے ڈاکہ زنوں پر اپنی ہیبت بٹھائی تو بہت سے ڈاکو روپوش اور مفرور ہو گئے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان روپوش ڈاکوؤں نے تجارتی راستوں پر اپنے اڈے بنا لیے ہیں۔ پچھلے دنوں اخبارات میں اس قسم کی خبریں آتی رہی ہیں جن سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔ اس لیے حکومت کو دوسرے حفاظتی انتظامات کے ساتھ ساتھ حفاظتِ خود اختیاری کے تحت ایسے لوگوں کو جو ایسے راستوں سے شب و روز گزرتے ہیں۔ اسلحہ رکھنے کی اجازت بھی دینی چاہیئے۔ البتہ اسلحہ کے صحیح استعمال کی ضمانت ضروری ہے۔ اس کے لیے مناسب شرائط ضرور لگا دی جائیں۔ امید ہے کہ پھر لوٹ مار کی وارداتیں نہ ہوا کریں گی، کیونکہ کوئی ڈاکو اپنی جان دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اسے اگر یہ گمان ہو کہ مجھے خطرناک مقابلہ کا سامنا کرنا پڑے گا تو وہاں وہ ڈاکہ کے لیے نہ جائے گا۔

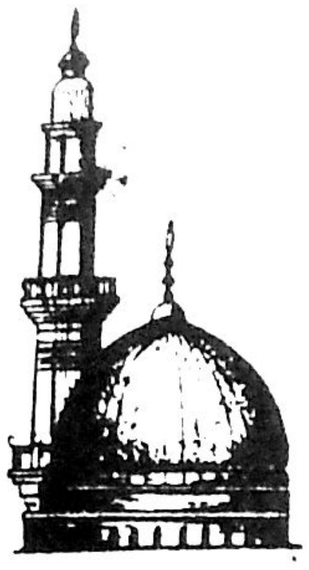

کچھ "انوارِ مدینہ" کے بارے میں!

محدود وسائل اور بہت سی دوسری مشکلات وموانع کے باوجود "انوارِ مدینہ" نے اپنی زندگی کا پہلا سال مکمل کرلیا ہے۔

یہ جن نیک اور پاکیزہ مقاصد کے تحت جاری ہوا تھا اس میں اسے کتنی کامیابی ہوئی ہے۔ ہوئی بھی ہے یا نہیں۔ اس بارے میں قارئین اور مبصرین کی رائے جو بھی ہو، لیکن ہمارے اپنے خیال میں اس کا موجودہ معیار اُس بلند معیار سے کہیں کم ہے جس پر ہم اسے لیجانا چاہتے ہیں۔

ہماری خواہش اور کوشش ہے کہ اسے صوری اور معنوی ہر دو لحاظ سے نمایاں امتیاز اور فوقیت حاصل ہو، اس میں اعلیٰ، شاندار اور وقت کے تقاضوں کے عین مطابق مضامین شائع ہوں۔ اس کی کتابت وطباعت میں کسی بھی قسم کی خامی نہ پائی جائے۔ اس کی افادیت دائمی اور سلسلۂ اشاعت وسیع تر ہو۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسہ ہے کہ وہ ہماری سعی مشکور فرمائیں گے اور ہمارے نیک مقاصد میں ہمیں ضرور کامیابی عطا فرمائیں گے۔

مضامین

جہاں تک مضامین کا تعلق ہے اس سلسلے میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب مدظلہم مہتمم دارالعلوم دیوبند، شیخ التفسیر حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہم، محدثِ اکبر حضرت مولانا سید محمد میاں مدظلہم، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہم، مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین صاحب اختر مدظلہم ایسے فقید المثال علماءِ کرام نے اپنے علمی مضامین عنایت فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے۔

اور حضرت مولانا عبدالمنان دہلوی، حضرت سید انور حسین نفیس رقم، استاد الشعراء جناب احسان دانش،

اور الحاج سیّد امین گیلانی جیسے نامور شعراء نے ہمیں اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء، اہلِ قلم اور شعراء نے تعاون فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے۔

کاغذ اور کتابت وطباعت

جہاں تک کاغذ کی بہتری اور اعلےٰ پیمانہ پر کتابت وطباعت وغیرہ کا تعلق ہے وہ ایک سرمایہ طلب امر ہے۔ اس وقت "انوارِ مدینہ" کی تیاری پر جتنی رقم صرف ہوتی ہے اس مناسبت سے فی رسالہ کم از کم اٹھاسی پیسے خرچ پڑتا ہے، لیکن محض تبلیغِ دین کے جذبہ کے پیشِ نظر ہم نے اب تک اس کی قیمت صرف پچاس پیسے رکھی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں بقیہ بوجھ "جامعہ مدنیہ کو اٹھانا پڑا ہے۔ اس لیے مجبوراً زیرِ نظر رسالہ سے اسکی قیمت میں اضافہ کر دیا گیا ہے اور اب آئندہ اس کی قیمت پچاس پیسے کے بجائے پینسٹھ پیسے فی رسالہ ہو گی۔ امید ہے خریدار حضرات بوجھ محسوس نہیں کریں گے۔ شرحِ چندہ میں مذکورہ اضافہ کے باوجود مصارف کا ایک حصہ جامعہ کے ذمہ رہے گا، کیونکہ فی رسالہ جو لاگت آتی ہے وہ حقیقتاً اس نئی قیمت سے زیادہ ہی ہے۔

اس مشکل کا حل

اس لیے ہم ان حضرات سے جو خاص تبلیغی مقاصد میں خرچ کرنے کا نظریہ رکھتے ہوں، یہ گذارش کرتے ہیں کہ وہ اسکے مصارفِ کتابت وطباعت اور تنخواہ عملہ میں امداد فرما کر شریکِ تبلیغ بنیں۔ جس کی شکل یہ ہے کہ کوئی صاحب اپنے ذمہ اس کی ماہانہ کتابت کے مصارف لے لیں، کوئی طباعت کا خرچ برداشت کر لیں، کوئی کاغذ کی فراہمی پر کمربستہ ہوں اور کوئی عملہ کی تنخواہوں کے ذمہ دار ہو جائیں۔

اس طرح اصحابِ استطاعت ادائیگیٔ فریضہ تبلیغ میں بھی حصہ دار بن سکیں گے اور ادارہ کی بھی امداد ہو جائے گی۔

توسیعِ اشاعت

توسیع اشاعت کے بارے میں ہم اپنے تمام قارئین خصوصاً حضرت اقدس مدنی قدس اللہ سرہ العزیز اور جامعہ کے فضلائے کرام سے ملتمس ہیں کہ وہ اس کی اشاعت بڑھانے اور حق کی اس آواز کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ اپنے حلقہ اثر میں اس کے خریدار بنائیں۔ اس کے لیے اشتہارات فراہم فرمائیں اور بھی جس طرح ممکن ہو سکے

اعانت فرماکر مستوجب اجر ہوں۔

اعتراف

ہمیں اعتراف ہے کہ رسالہ کی اشاعت و ترسیل میں بہت دیر ہوتی رہی ہے (جس کا سبب عموماً قلتِ سرمایہ ہی رہا) نیز بعض ایسے مضامین بھی شائع ہوئے ہیں جو معیاری نہیں کہلائے جاسکتے اس طرح بعض اوقات کتابت بھی خاطر خواہ نہیں ہوسکی۔

ہم ان تمام خامیوں کا تہیّہ کیے ہوئے ہیں اور خدا نے چاہا تو ہم سالِ رواں میں "انوارِ مدینہ" کو ان تمام خامیوں سے پاک کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

ختمِ مدّت خریداری

جن حضرات کی مُدّتِ خریداری ختم ہورہی ہے انہیں عنقریب اس کی اطلاع دے دی جائے گی۔ اطلاع میں تاخیر ہونے کی صورت میں ایسے حضرات جنہیں اپنی مدّتِ خریداری کے ختم ہونے کا علم ہے مہربانی فرماکر اپنا چندہ (مبلغ سات روپے، طالب علم ہو تو پانچ روپے) جلد ارسال فرماکر تشکر فرمائیں۔ (ادارہ)

اگلا شمارہ

(بشرطِ صحتِ مرتّب)

۱۰۰ سے زائد صفحات پر مشتمل ہوگا۔

جس میں

اکابر علماء کرام کے علمی مضامین

اور

نامور شعراء کی نظمیں شامل ہوں گی۔

قیمت

ایک روپیہ صرف

اسلامی پیڈ

خط لکھنے کے لیے اسلامی پیڈ، ختمِ نبوت کی احادیث اور پرچمِ نبویؐ سے مزیّن۔

عمدہ کاغذ | رنگین چھپائی

قیمت:

۲۵ کاغذ مجلد: پچاس پیسے

۵۰ کاغذ مجلد: ایک روپیہ

۱۰۰ کاغذ مجلد: دو روپے

محصول ڈاک ۲۰ پیسے فی پیڈ علاوہ، وی پی نہیں ہوگا۔
رقم یا ٹکٹ پیشگی، رجسٹری کے پچاس پیسے کے ٹکٹ مزید۔

ملنے کا پتہ

محمد رمضان میمن — مدرسہ تعلیم الفرقان — جامع مسجد توحید — توحید نگر — چاکیواڑہ — کراچی نمبر ۲

فتنوں کی سرکوبی

قسط : ۱۰

اُولٰئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ

خلافت و ملوکیت" کے جواب میں!

الحدیث حضرۃ علامہ مولانا سیّد محمّد میاں صاحب مدظلہ

تعارف ایک یہودی تھا، باپ کا نام سبا - ماں ایک حبشن تھی اس لیے اس کو "ابن السوداء" بھی کہتے ہیں یمن کے شہر صنعا کا رہنے والا تھا۔ خلافتِ عثمانی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی سالوں میں مسلمان ہوا۔ (طبری ص ۶۸ ج ۵)

حرکت عمل مدینہ طیبہ میں حضرت عثمانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کسی منصب کے حاصل کرنے میں تو کامیاب نہیں ہوسکا۔ البتہ وہ کام پوری طرح مکمل کر لیا جو ایک سازشی کر سکتا ہے۔ (تفصیل آگے آئے گی انشاء اللہ) یہیں اس کو یہ علم بھی ہوا کہ بصرہ میں ایک پارٹی ہے جس کے نظر بند رکھنے کا حکم بارگاہِ خلافت سے صادر ہو چکا ہے۔ یہ حکیم بن جبلہ کی پارٹی تھی۔ جس کا ذکر ابھی گزر چکا ہے۔ ڈاکے ڈالنا اور چھاپے مارنا اس کا کام تھا۔ قبیلہ عبدالقیس کے کچھ آدمی بصرہ میں بھی رہا کرتے تھے۔ یہ انہی میں رہتا تھا۔ جب اس کی فساد انگیزی کی شکائتیں امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پہنچیں تو آپ نے حاکم کوفہ حضرت عبداللہ بن عامر کو لکھا کہ ان کو بصرہ میں نظر بند کر دیں۔ جب تک ان کا چال چلن ٹھیک نہ ہو جائے، بصرہ سے باہر نہ جانے دیں۔ (طبری ص ۹۰ ج ۵)

عبداللہ بن سبا مدینہ سے روانہ ہوا بصرہ پہنچا اور اس پارٹی سے سازباز شروع کر دی۔ اس پارٹی کے لوگوں نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اس کی رپورٹ حاکمِ بصرہ کے پاس پہنچی۔ انہوں نے اس کو طلب فرمالیا۔ دریافت کیا تم کون ہو۔ اس نے کہا کہ میں اہلِ کتاب میں سے تھا۔ مجھے اسلام اچھا معلوم ہوا میں نے اسلام قبول کر لیا۔ حاکمِ بصرہ عبداللہ بن عامر نے وہ شکائتیں سنائیں جن کی رپورٹ پہنچی تھی۔ عبداللہ بن سبا کوئی معقول جواب نہ دے سکا تو آپ نے اس کو بصرہ

چھوڑ دینے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ یہ بصرہ سے نکلا اور کوفہ پہنچ گیا۔ (طبری ص ۹۰ ج ۵)

ظاہر ہے اپنے اثرات اس گینگ اور پارٹی کے لوگوں میں بھی چھوڑ گیا۔ اور عبدالقیس کے لوگوں میں بھی جن کے یہاں حکیم بن جبلہ رہا کرتا تھا۔

عبداللہ بن سبا کوفہ پہنچا۔ یہاں کچھ شورہ پشت وہ تھے جنہوں نے ابن الجیسمان الخزاعی کو رات کے وقت اس کے گھر میں گھس کر قتل کیا تھا اور جب یہ قاتل قصاص میں قتل کئے گئے تو ان کے وارث حاکم کوفہ ولید بن عقبہ کے دشمن ہو گئے تھے اور وہ تمام حرکتیں شروع کر دی تھیں۔ جن کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ ولید مجرم گردان کر امارتِ کوفہ سے معزول کئے گئے۔ ان کے علاوہ قبیلۂ عبدالقیس اور ان قبائل کے آدمی بھی تھے۔ جن کو اپنی عظمت پر ناز تھا اور اب ان کو نہ صرف قریش بلکہ حضراتِ صحابہؓ کی عظمت بھی ناگوار ہونے لگی۔ عبداللہ بن سبا نے ایسے لوگوں میں اپنا کام شروع کر دیا۔

کوفہ سے روانہ ہو کر یہ شام گیا۔ یہاں اس کو کوئی ایسی پارٹی تو نہیں ملی۔ البتہ اکتناز دولت کے بارے میں جو اختلاف حضرت معاویہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما کے درمیان چل رہا تھا۔ اس کو خوب ہوا دی اور کوشش کی کہ اس کو ایک تحریک کی شکل دے دے۔ لیکن گورنرِ شام حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی حسنِ تدبیر نے کسی تحریک کے بھڑکنے کا موقع نہیں دیا اور یہی ان کا سب سے بڑا جرم تھا۔ جس کی وجہ سے ان کو سب سے زیادہ مطعون کیا گیا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ ابنِ جریر تاریخ الکامل لابن اثیر ابن خلدون وغیرہ) شام میں کامیابی کی صورت نظر نہ آئی تو یہ مصر پہنچا۔ وہاں ایسے عناصر موجود تھے جو اس کا دست و بازو بن سکتے تھے۔ لہٰذا مصر ہی کو مرکز بنا لیا۔ بذریعہ مراسلات و خط و کتابت پارٹی کے افراد سے رابطہ رکھا اور اس کو مضبوط کیا۔ (تاریخ طبری ص ۹۰ ج ۵ ابنِ خلدون وغیرہ)

تالیف و ترتیب نظریات و مطالبات

عبداللہ بن سبا اور اس کے مشیروں کا اپنی پارٹی کے حق میں بنیادی کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے کچھ نظریات مرتب کئے۔ پھر موقع بموقع ان میں مطالبات کا اضافہ کیا جاتا رہا۔ نظریات ایسے مرتب کئے جو خاص طور پر ان دماغوں کو متاثر اور ان ذہنوں کو اپیل کرنے والے تھے جن کو اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کا صدمہ تھا اور کوئی بھی تحریک جس میں بازیابیٔ اقتدار کی توقع ہو (ورنہ کم از کم یہ توقع ہو کہ اس سے فاتح قوم کا شیرازہ منتشر ہو سکتا ہے اور جو ان کو تباہ کرنے والے ہیں وہ خود بھی تباہ ہو سکتے ہیں) ان کو اپنی طرف کھینچ سکتی تھی۔

عربوں میں بادشاہت نہیں رہی تھی۔ وہ طبعی طور پہ شاہ پرست نہیں تھے۔ یہ تصور ان کی افتادِ طبع سے منزلوں دور تھا کہ پورا ملک کسی ایک خاندان کی ملک ہو سکتا ہے اور اس ملکیت میں وراثت چل سکتی ہے کہ بادشاہ کی اولاد ہی وارث تخت و تاج ہو اور جو اس کو تخت و تاج سے محروم کرے وہ ایسا ہی ظالم اور غاصب قرار دیا جائے جیسے کسی باپ کے ترکہ سے اس کی اولاد کو محروم رکھنے والا۔

لیکن یہ تصورات ایرانیوں کی فطرت اور ان کی ذہنیت کے عین مطابق تھے۔ ایران اپنی ملکی تاریخ کی ابتداء سے شاہ پرست رہا تھا۔ کئی صدی سے ایک ہی خاندان وہاں بادشاہت کرتا چلا آرہا تھا۔ وہ خدا کی خدائی کی طرح ملک کے لئے بادشاہت کو بھی ضروری سمجھتے تھے اور وہ وارث کا پیدائشی حق سمجھتے تھے کہ وہ مورث کے حقوق اور اقتدار کا مالک ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ سوال اٹھا تھا کہ جو جائیدادیں وحی الٰہی کی تصریح کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص کر دی گئی ہیں وہ وارثوں کو تقسیم کی جائیں مگر جب یہ سمجھا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کی وارث پوری امت ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپ کا ترکہ پوری اُمّت کے لئے صدقہ (وقف) ہوگا۔ تو ترکہ اور ورثہ کا سوال تو ختم ہو گیا تھا البتہ یہ بات تسلیم کر لی گئی تھی کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اس وقف کے متولی ہوں۔ چنانچہ سیدنا عباسؓ اور سیدنا حضرت علیؓ کو ان جائیدادوں کا متولی بنا دیا گیا تھا۔ اس پارٹی نے اس مردہ سوال کو پھر زندہ کیا۔ اس پر یہ اضافہ اور کر دیا کہ وارثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ لہٰذا جانشین رسول اللہ اور خلیفہ اول انہیں کو ہونا چاہیے تھا۔ مستزاد یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا وصی بنا دیا تھا اور یہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا ظلم تھا کہ انہوں نے اصل وارثوں کو محروم کر کے خلافت پر قبضہ کر لیا۔ لہٰذا سلسلہ خلافت کی جب بنیاد ہی غلط ہے تو موجود خلیفہ کی خلافت بھی غلط ہے اور اس کے مقرر کردہ حکام اور گورنر بھی غلط۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تقاضا ہے کہ ان کی مخالفت کی جائے۔ (طبری ص ۹۸ ج ۵)

عبداللہ بن سبا اور اس کی پارٹی کا مقصد صرف نظامِ خلافت کو برباد کرنا نہیں تھا، بلکہ اس کا اصل نشانہ اسلام تھا۔ چنانچہ وراثت اور وصیت کے نظریہ کے ساتھ ایک نظریہ رجعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایجاد کیا۔ کہتا

تھا کہ تعجب ہے مسلمان اس کے قائل ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور اس کو نہیں مانتے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ حالانکہ قرآنِ حکیم اس کی شہادت دے رہا ہے اس شہادت میں وہ آیت قرآن اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّكَ اِلٰی مَعَادٍ کی من مانی تفسیر لوگوں کے سامنے پیش کیا کرتا تھا۔

زہد و تقوٰی کے مظاہرہ کے ساتھ جب قرآن پاک کا حوالہ دے کر کوئی بات بیان کی جاتی تھی تو اس کا اثر لازمی تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (ایضاً ص ۹۸ ج ۵)

تحریف دین کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ صحابہؓ کرام بالخصوص حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی عظمت سے دلوں کے گوشوں کو خالی کیا جائے۔ کیونکہ دین صرف نظریات کا نام نہیں ہے۔ دین کا پہلا کام اصلاحِ عمل ہے یہ بات کہ ہمارا عمل آں حضرت کے پیش فرمودہ دین کے مطابق ہے یا نہیں ہے۔ اس کا معیار حضرات صحابہؓ کا طرزِ عمل ہے۔ چنانچہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تھا کہ امت کے تہتر فرقوں میں سے ہم کس فرقہ کو سمجھیں کہ حق پر ہے تو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب یہ تھا۔ ما انا علیہ و اصحابی (ترمذی شریف ص ۸۹ ج ۲) "جس پہ میں ہوں اور میرے اصحاب"۔ پھر بہت ہی تاکید کے ساتھ ہدایت فرمائی تھی کہ تمہارا فرض یہ ہے کہ میری سنت کو مضبوطی سے سنبھالو اور ان خلفاء کی سنت کو جو راشد (صالح) اور مہدی (ہدایت یافتہ) ہیں۔ اس کو دانتوں کی کونچلیوں سے مضبوط پکڑ لو۔ (صحاح)

بہرحال تحریفِ دین کا مقصد جب ہی کامیاب ہو سکتا تھا کہ مسلمان حضراتِ صحابہؓ کو ہدف بنائیں۔ حضرات شیخین سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما وفات پا چکے تھے۔ خلیفہ ثالث موجود تھے۔ لہٰذا سب سے پہلے ان کو نشانہ بنایا گیا۔ ان دشمنانِ دین کو احادیث وضع کرنے اور گھڑنے میں کیا خوف ہو سکتا تھا۔ چنانچہ حضراتِ شیخین (رضی اللہ عنہما) کے متعلق بے شمار حدیثیں گھڑی گئیں اور ان کو اس طرح خلط ملط کیا گیا کہ بہت سی وہ چیزیں کافی چھان پھٹک کے بعد بھی اب تک صاف نہیں ہو سکیں۔ جو صحابہ کرام حضراتِ خلفائے راشد اور اہلبیت کے متعلق ہیں۔

ان نظریات کی تدوین و اشاعت کے ساتھ اقتدارِ قریش کا مسئلہ بھی ابھارا گیا۔ عراق ان کا ہے جنہوں نے عراق کو فتح کیا۔ قریش کو یہ حق نہیں کہ وہ سوادِ عراق کو اپنا بستان کہیں۔

اس مسئلہ نے اتنی شدت اختیار کی کہ خطرہ ہوا کہ اہلِ عراق یعنی قبائل بنی بکر و عبدالقیس و بنی ازد و عیزہ کے لوگ قریش کی ان جائیدادوں پر غاصبانہ قبضہ کر لیں گے جو عراق کے مختلف علاقوں میں تھیں۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش کو ہدایت کی کہ ان جائیدادوں کو فروخت کر دیں۔ یا تبادلہ کر لیں۔

مختصر یہ کہ عبداللہ بن سبا اور اس کے مشیر کاروں نے مدینہ میں کچھ قیام کر کے حالات کا جائزہ لے کر نظامِ اسلام کو درہم برہم کر دینے کا منصوبہ بنایا۔ اس کا پہلا اشاعت گاہ بصرہ تھا۔ پھر کوفہ پھر مصر۔

حکومتِ مصر عیسائی طاقتوں سے مقابلہ میں مصروف تھی۔ عبداللہ بن سبا کی خفیہ کارروائیوں کی طرف توجہ نہیں دے سکی۔ وہاں کچھ ایسے بارسوخ اور متعارف لوگوں کی حمایت بھی اس کو میسّر آگئی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قرابت رکھنے کے باوجود کسی منصب کو حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے اور اس لیے کہ ان کو حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ سے ذاتی پرخاش تھی۔ (تفصیل آگے آئے گی۔ انشاءاللہ)

لہٰذا اس تحریک نے وہاں اپنی جڑیں اتنی مضبوط کر لیں آئندہ تخریبی کارروائیوں کے لیے مصر ہی مرکز بن گیا۔ یہیں سے عبداللہ بن سبا نے تحریری پروپیگنڈہ شروع کیا۔ (تفصیل آگے آئے گی۔ انشاءاللہ)

طریق کار

سیّدنا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے خلاف جو شکایتیں فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو پہنچائی گئیں۔ اس وقت تک عبداللہ بن سبا کا ظہور نہیں ہوا تھا، لیکن طریقِ کار کی یکسانیت شہادت دے رہی ہے کہ عبداللہ بن سبا کی پشت پر کچھ ایسے ہاتھ تھے جو پہلے سے مصروفِ کار تھے۔ خلیفہ کی ذات کو مجروح کرنے سے پہلے مقامی ذمہ دار (گورنر) کو مجروح کرنا اور اس کے خلاف شکایتوں کا طوفان اٹھانا۔ اس طریقِ کار کا حاصل تھا۔ کوفہ میں سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کے بعد اس کا نشانہ حضرت ولید بن عقبہ بنے۔ پھر حضرت سعید بن العاصؓ بصرہ میں سیّدنا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اس کا نشانہ بنایا گیا اور اب بقول علامہ ابنِ جریر طبری ۳۵ھ میں یہ طے کیا گیا کہ ہر جگہ کے حاکم اعلیٰ کے متعلق شکایتیں لکھ کر خلیفہ کو بھی بھیجی جائیں اور دوسرے شہر کے لوگوں کو بھی، ایک شہر والے اپنے حاکم کی فرضی اور جھوٹی خرابی لکھ کر دوسرے شہر والوں کے پاس بھیجتے۔ جب یہ لوگ یہ خبرنامہ پڑھتے تو کہتے کہ خدا کا شکر ہے ہماری یہاں تو یہ خرابیاں نہیں ہیں۔ ہمیں عافیت میسّر ہے۔ افسوس یہ لوگ بہت پریشان ہیں۔ ان پر بہت زیادتی ہو رہی ہے۔

اس طرح کے خبرناموں سے (دارالخلافہ) مدینہ منورہ کی فضا میں بھی بے چینی پیدا کر دی اور ہر ایک شہر کو کارکنانِ حکومت

کے مظالم کے شور سے پُر آشوب کر دیا۔ یعنی پر کا کوا نہیں بنایا گیا۔ کیونکہ پر کوئی تھا ہی نہیں بلکہ بے بنیاد شکایت تصنیف کی گئی۔ اس شہر میں اس تصنیف کا پول کھل جاتا۔ لہٰذا اس شکایت کا خبرنامہ دوسرے شہر میں بھیجا گیا۔ وہاں اس کو سنایا گیا اور عوام کے ذہن نشین کرایا گیا کہ حکام بہت ظلم کر رہے ہیں۔ (طبری صفحہ ۹۸/۵)

اس طرح کے خطوط اہلِ مدینہ کے پاس بھی بھیجے جاتے تھے تاکہ اہلِ مدینہ عمال سے برگشتہ ہوں اور اگر خلیفہ توجہ ذرہ نوازی کو بھی پست ہمت، خویش نواز کہہ کر مجروح کیا جائے اور ان کے احترام کو ختم کیا جائے۔ دوسری طرف اہلِ مدینہ کی طرف سے خطوط بھیجے جاتے جن میں خلیفہ کی شکایت کی جاتی اور یہ کہ حالت بہت خراب ہے۔ بہت اصلاح کی ضرورت ہے۔

واقدی کی روایت ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے مدینہ طیبہ سے ان صحابہ کے نام خطوط بھیجے گئے جو جہادی خدمات میں مصروف تھے کہ اقدموا ان کنتم تریدون الجھاد فعندنا الجھاد جہاد کرنا چاہتے ہو تو یہاں آؤ جہاد یہاں ہے۔ (تاریخ طبری صفحہ ۹۶/۵)

دورِ حاضر کے ماہرین سیاست بھی شاید اس طرح کی پروپیگنڈے کی جرأت نہ کر سکیں کہ اصل مقام پر شکایت کا وجود نہیں اور دوسرے مقامات ان شکایتوں کی ہیجان انگیز افسانوں سے پر آشوب۔ یہی وقت تھا جب سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق فردِ جرم تیار کی گئی۔ ابنِ خلدون نے مندرجہ ذیل الزامات درج کئے ہیں، لیکن حضرت عثمان رض کی ایک تقریر آئندہ درج کی جائے گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اور الزامات بھی تھے جو لگائے گئے تھے۔

(۱) سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو شام سے نکال کر مدینہ پھر مدینہ سے نکال کر ربذہ پہنچا دیا۔ جہاں وہ تنہا زندگی گزار رہے ہیں۔

(۲) جمعہ کے روز ایک اور اذان کا اضافہ کر دیا۔

(۳) منیٰ اور عرفہ میں ظہر و عصر اور عشاء کی دو دو رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔ یعنی قصر کیا جاتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار چار رکعتیں پڑھیں۔

۲، ۳ علمی مسائل ہیں۔ اجتہاد و استنباط سے ان کا تعلق ہے۔ چنانچہ حضرات اہل علم نے علمی حیثیت ہی میں بحث کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی انداز سے جوابات دیئے۔ اس بحث کے دلائل سے جو فریقین نے پیش کئے علماء نے بہت سے مسائل اخذ کئے۔ مگر عوام ان نکتوں سے کہاں واقف ہو سکتے تھے۔ وہ تو یہی سمجھ سکتے تھے کہ حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ نے کچھ "نئی باتیں ایجاد کیں۔ لہذا یہ قابلِ عظمت نہیں، بلکہ ان کو معزول کرنا وقت کا سب سے زیادہ ضروری اور سب سے اہم مطالبہ ہے۔

(۴) مروان کو افریقہ میں خمس (پانچواں حصہ) بلامشورہ دے دیا۔

(۵) خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری مبارک کنوئیں میں کیوں گری۔ (ابنِ خلدون ص ۱۴۶)

مدینہ منورہ سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر ایک کنواں تھا۔ اس کو "بیرِ اریس" کہا کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کنوئیں کی من پر تشریف فرما تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری مبارک جو سرکاری دستاویزوں پر لگائی جاتی تھی۔ آپ کے ہاتھ میں تھی وہ مہر اتفاق سے کنوئیں میں گر گئی۔ پھر کنوئیں کی مٹی تک نکلوا دی گئی، مگر انگشتری مبارک دستیاب نہیں ہوئی۔ یہ اتفاقی حادثہ بھی سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جرائم میں شمار کرایا گیا۔ (ابنِ خلدون ص ۱۳۹ و ص ۱۴۰ ج ۲)

شکائتوں کی تحقیق

بہرحال مذکورہ بالا طے کردہ طریق کار کے بموجب والیان صوبہ کے خلاف تصنیف کردہ شکائتوں کی گونج خلیفہ سوم کی سمع مبارک تک پہنچی، تو آپ نے ملک کے ہر حصہ میں مشاہدین روانہ فرمائے جو مقامی حالات، عوام کے رجحانات اور ان شکائتوں کے متعلق تحقیق کریں۔ طبری اور ابن اثیر نے ان میں سے چار کے نام لکھے ہیں۔

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ۔ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بصرہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو شام، سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مصر (الکامل لابن اثیر جلد ۳ ص ۷۸ وطبری ص ۹۹ ج ۵)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی سب حضرات نے واپس آکر رپورٹ دی۔

"ما انکرنا شیئًا ولا انکرہ اعلام المسلمین ولا عوامہم وقالوا جمیعا الامر امر المسلمین الا ان امراءہم یقسطون بینہم ویقومون علیہم"۔ (طبری، ج ۵، ص ۹۹ وابن اثیر ج ۲ ص ۷۸)

" ہم نے کوئی غیر معمولی بات دیکھی نہ مسلم عمائدین اور عام مسلمان کوئی غیر معمولی بات محسوس کرتے ہیں۔ جس طرح مسلمانوں کا کام ہونا چاہیے اسی طرح کام ہو رہا ہے۔ مگر ان کے امراء کچھ زیادتی کرتے ہیں اور نگرانی کڑی رکھتے ہیں۔"

نوٹ: یقسط بینہم کے معنی تو یہ ہونے چاہئیں کہ انصاف سے کام لیتے ہیں۔ مگر لفظ "الا" کی مناسبت سے ہم نے

"قسط بینہم" کے معنی وہ لیے ہیں جو قسط علیہم کے ہونے چاہییں۔ کچھ حضرات نے اس کے یہ معنی بھی بیان کئے ہیں کہ صرف یہ بات ہے کہ ان کے امراء انصاف کرتے ہیں۔ اور ان کا خیال رکھتے ہیں۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی واپسی کا انتظار ہو رہا تھا کہ والئ مصر حضرت عبداللہ بن سعد ابن ابی سرح نے اطلاع دی۔

"عبداللہ بن السوداء (عبداللہ بن سبا) خالد بن ملجم۔ سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر جو مصر میں ٹھہرے ہوئے ہیں انہوں نے حضرت عمار کو ملالیا ہے۔ حضرت عمار ان سے مل گئے ہیں اور ان کے ساتھ رہنے لگے ہیں۔" (طبری ج ۵ ص ۹۹)

حافظ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ۳۵ھ کا واقعہ قرار دیا ہے۔ یعنی جیسے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حج بیت اللہ شریف سے واپس ہوئے لوگوں کی شکائتیں پہنچیں۔ جن کی بناء پر آپ نے مشاہدین کو بھیجا اور رپورٹ حاصل کی۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس وقت تک خویش پروری اور اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کرنے کی کوئی شکایت نہیں ہے۔

مراسلہ اور اجتماع

جیسے ہی رپورٹ پہنچی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک گشتی مراسلہ جملہ حکام اور امراء کے نام بھیجا۔

امابعد فانی اٰخذ العمال بموافاتی فی کل موسم وقد سلطت الامۃ منذ ولیت الامر بالمعروف والنھی عن المنکر۔ فلا یرفع علیّ شیئ ولا علےٰ احد من عمالی الا اعطیتہ ولیس لی ولعیالی حق قبل الرعیۃ الا متروک لھم وقد رفع اليّ اھل المدینۃ ان اقواما یشتمون واٰخرون یضربون فیامن ضرب سرّا وشتم سرّا من ادعی شیئا من ذالک فلیواف بالموسم فلیاخذ بحقہ حیث کان منی او من عمالی او تصدقوا فان اللہ یجزی المتصدقین۔ (طبری ج ۵ ص ۹۹)

(ترجمہ ہر سال حج کے موقع پر کارپردازانِ حکومت سے میری ملاقات ہوتی ہے، تو میں ان سے مواخذہ کیا کرتا ہوں۔ میں جب سے خلیفہ بنایا گیا ہوں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مسلط کرتا ہوں۔ (اور اس کو غالب رکھتا ہوں) پس مجھ پر یا میرے کسی عامل پر جو مطالبہ بھی لازم کیا جاتا ہے۔ میں اس کو ادا کر دیتا ہوں۔ یہ اس حالت میں کہ میرا اور میرے عیال کا عوام کی جانب جو بھی حق ہے وہ ان کے حق میں چھوٹا ہوا ہے۔ (معاف ہے)

اہلِ مدینہ نے مجھے یہ شکایت پہنچائی ہے کہ کچھ لوگ ہیں جن کو گالیاں دی جاتی ہیں اور کچھ ہیں جن کو خفیہ طور سے مارا پیٹا جاتا ہے۔ پس جس شخص کو بھی خفیہ طور پر پیٹا گیا ہو (جس کے گواہ نہ ہوں) یا پوشیدہ طور پر اس کو گالی دی گئی ہو، ہر ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ حج کے موقع پر آئے، مجھ سے ملاقات کرے اور اپنا حق لے لے، وہ مجھ پر لازم ہو یا میرے کسی عامل پر، یا صدقہ کر کے معاف کر دے۔ اللہ تعالےٰ صدقہ کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرماتا ہے۔

تین آدمی محمد، طلحہ اور عطیہ جو اس کے راوی ہیں وہ بیان کرتے ہیں۔ فلما قرئ بالامصار بکی الناس ودعو العثمان وقالوا ان الامۃ لتمحض بشر۔ جب یہ گشتی مراسلہ شہروں میں پہنچا اور لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا تو اس نے لوگوں کو رُلا دیا۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دعا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ افسوس لوگ خالص (نری) شرارت پر اتر آئے ہیں۔ (طبری ص ۹۹ ج ۵)

سیدنا حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے گشتی مراسلہ پر ہی کفایت نہیں کی بلکہ امراء اجناد (صوبوں کے گورنروں) کو بھی طلب فرمایا۔

سبائیوں کا اجتماع اور منصوبہ

سبائیوں کو معلوم ہوا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے صوبائی امراء کو طلب کیا ہے اور یہ امراء وہاں جائیں گے، تو مصر کے مرکز سے کوفہ اور بصرہ کی پارٹیوں اور اپنے تمام ہمنواؤں کو لکھا گیا۔ یہ امراء مدینہ جا رہے ہیں۔ ان کے دارالحکومت خالی ہوں گے۔ ایک دن مقرر کر کے سب جگہ بغاوت کر دو، پھر ان امراء کو اپنے مرکزوں تک نہ پہنچنے دو، لیکن اس منصوبہ پر صرف کوفہ میں کچھ عمل ہو سکا۔ جب کہ یہاں کے امیر حضرت سعید بن العاص مدینہ گئے ہوئے تھے، تو یزید بن قیس کوفہ کے عوام کا ایک انبوہ لے کر کوفہ سے روانہ ہو گیا ارادہ یہ تھا کہ مدینہ پہنچ کر خلیفہ سے مطالبہ کریں کہ وہ معزول ہو جائیں، لیکن یہاں کے افسر افواج قعقاع بن عمرو (کمانڈر انچیف) کو پتہ چل گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر یزید بن قیس اور اس کی عوامی فوج کا محاصرہ کر لیا۔ یزید بن قیس کو محسوس ہوا کہ عزلِ خلیفہ کا منصوبہ اس وقت کامیاب نہیں ہو سکتا۔ تو قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ وہ خلیفہ کے پورے وفادار ہیں۔ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کے یہاں کا گورنر سعید بن العاص یہاں سے ہٹا دیا جائے۔ چنانچہ حضرتِ قعقاع نے اس کو چھوڑ دیا۔ پھر ان لوگوں نے مقامِ جرعہ پر جمع ہو کر حضرت سعید کا راستہ روک لیا۔ اور ان کو مدینہ واپس ہونے پر مجبور کیا۔ (طبری ص ۱۰۱ و ص ۱۰۲ ج ۵)

بارگاہِ عثمانی میں امراءِ اجناد (گورنر دربارِ خلافت میں)

امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طلب پہ گورنر شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گورنر مصر حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح گورنر کوفہ حضرت سعد بن العاص گورنر بصرہ حضرت عبداللہ بن عامر مدینہ طیبہ پہنچے۔ آپ نے مصر کے سابق گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بھی مشورہ میں شریک کیا۔ آپ نے فرمایا۔

ویحکم ماھذہ الشکایۃ وماھذہ الاذاعہ انی واللہ لخائف ان تکونوا مصدوقا علیکم وما یعصب ھذا الابی۔ (طبری ج ۵ ص ۹۹) یہ کیا شکائتیں پہنچ رہی ہیں۔ یہ کیا پروپیگنڈہ ہو رہا ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ یہ شکائتیں صحیح ہوں۔ اور تم پر ان کی ذمہ داری آتی ہو۔ نتیجہ یہی ہوگا کہ لوگ مجھ پر نرغہ کر کے آئیں گے۔

والیانِ مملکت نے عرض کیا۔

کیا آپ نے مشاہدین کو نہیں بھیجا تھا۔ کیا ہم نے خود آپ تک لوگوں کے حالات نہیں پہنچائے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آپ کے مشاہدین گئے اور کسی نے بھی ان کے سامنے کوئی بات نہیں کہی۔ (کوئی شکایت نہیں کی) جو لوگ آپ سے شکائتیں کرتے ہیں۔ قسم بخدا وہ سچ نہیں بولتے اور نہ وہ کوئی بھلائی کا کام کرتے ہیں۔ یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے، ہمارے علم میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ آپ کوئی ایک بات لے لیجئے۔ تحقیقات کیجئے یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی واقعیت آپ کے سامنے آجائے۔ یہ جو کچھ ہے سراسر پروپیگنڈہ ہے۔ آپ کے لیے درست نہیں ہے کہ اس کی بناء پہ آپ کسی کی گرفت کریں۔ اور نہ یہ درست ہے کہ آپ اس کو آخری بات سمجھیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اب مجھے مشورہ دو۔ میں کیا کروں۔ حضرت سعید بن العاص نے عرض کیا "یہ سب چال اور سازش ہے۔ بااثر راز میں طے کی جاتی ہیں۔ ان کو واقف لوگوں کے سامنے رکھا جاتا ہے، وہ دوسروں کو اس کی خبر دیتے ہیں پھر مجلسوں میں ان کے چرچے ہونے لگتے ہیں"۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اس کا کیا علاج ؟

حضرت سعید بن العاص:۔ سازش کرنے والوں کا پتہ لگایئے جو مجرم ثابت ہوں۔ ان کو موت کی سزا دیجئے۔

حضرت عبداللہ بن سعد والیٔ مصر نے عرض کیا۔

"جب آپ لوگوں کو ان کے حقوق ادا کر رہے ہیں تو ان کو ڈھیلا نہ چھوڑیئے۔ حقِ وفا جو ان پر لازم ہے۔ سختی سے اس کا مطالبہ کیجئے"

حضرت معاویہ :۔ آپ نے حکومت میرے سپرد کی۔ آپ نے ایک ایسی قوم کا مجھے حاکم بنا رکھا ہے کہ اس کی طرف سے آپ کو خیر ہی پہنچے گا۔ (کوئی شر نہیں پہنچے گا) وہ آپ کی خیر خواہ و وفادار ہی رہے گی۔ میرے علاقہ کی بات تو یہی ہے۔ باقی یہ دونوں صاحبان اپنے علاقہ کے حالات سے زیادہ واقف ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ ان علاقوں کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ "حسن الادب" ان کی صحیح تربیت ہونی چاہیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص سے فرمایا۔ آپ اپنی رائے ظاہر فرمائیں۔

عمرو بن العاص :۔ جنابِ والا! آپ ان کے حق میں بہت نرمی برتتے ہیں۔ مواخذہ میں تاخیر سے کام لیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جو حیثیت دے رکھی تھی۔ آپ نے ان کو اس سے بڑھا دیا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے دونوں پیشرو ساتھیوں کا طریقہ اختیار کیجئے۔ سختی کی جگہ سختی اور نرمی کی جگہ نرمی برتیئے جو شخص شرارت پھیلانے میں کوتاہی نہیں کرتا۔ دوسروں کو شر بھی پہنچاتا ہے۔ اس کے لیے سختی مناسب ہے اور جو لوگوں کا خیر خواہ ہو۔ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے میں کوتاہی نہ کرے وہ نرمی کا مستحق ہے۔ آپ نے دونوں کے لیے نرمی کا بستر ہی بچھایا۔ (طبری ص ۱۰۱ ج ۵)

جوابات کے الفاظ اور مفہوم میں کمی بیشی بھی ہے۔ مثلاً یہ بھی روایت ہے کہ گورنرِ بصرہ حضرت عبداللہ بن عامر رضؓ نے یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ کسی ملک پر فوج کشی کر کے ان کو جہاد میں مشغول کر دیجئے۔ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح والیٔ مصر نے یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ دولت کے بھوکے ہیں۔ ان کو عطاء اور بخشش سے نوازیئے۔ یہ سب آپ کے ہو جائیں گے۔ (طبری ص ۹۴ ج ۵)

بہر حال صوبائی حکومتوں کے ان ذمہ داروں نے اپنی اپنی رائے آزادی سے پیش فرمائی۔ مگر آئندہ کے لیے کوئی لائحہ عمل طے نہیں ہوا۔ کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے میں اس کا وقت گزر چکا تھا۔ اب اگر ہو سکتا تھا تو یہ کہ فوجی طرز کی حکومت قائم کی جائے اور جس پر شبہ ہو اس کو گرفتار کر کے سزا دی جائے۔ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تقویٰ اس غیر محتاط طرزِ حکومت کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ آپ نے اپنی قربانی منظور کی۔ مگر یہ گوارا نہ کیا کہ آپ کے سلسلہ میں کسی کے خون کا

کوئی قطرہ بھی زمین پہ گر سکے۔

اس وقت ان حضرات کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو تقریر کی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان صوبائی امراء اور گورنروں سے زیادہ آپ کو حالات کا علم تھا اور ان حالات کے متعلق آپ کا مطالعہ بہت کافی گہرا تھا۔ ان امراء کے بیانات میں بقدرِ مشترک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرم پالیسی پر تنقید تھی۔ رشتہ داروں کے ساتھ نہیں بلکہ عوام کارپردازانِ حکومت اور عام قومی رہنماؤں اور کارکنوں کے بارے میں۔ اس سلسلہ میں یہ بھی کہا گیا کہ آپ حضرت صدیقِ اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا طریقِ عمل اختیار کیجئے۔ مگر ان تنقید کرنے والوں نے یہ نہیں خیال کیا کہ عوام کے حالات میں کس قدر تبدیلی ہو چکی ہے۔ جب بے قصور کو قصوروار قرار دے کر بغاوت کا منصوبہ بنایا جائے، تو اگر کوئی قصور ہو تو بغاوت کے لیے کسی منصوبہ کی ضرورت بھی نہ ہوگی یہ خلیفہ کی نہیں، بلکہ حالاتِ عوام کی تبدیلی تھی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دُرّہ کو بڑے سے بڑا شخص برداشت کر لیتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرم بات کا بھی جواب سخت ہوتا تھا۔ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک تقریر میں یہ شکایت فرمائی تھی۔ (طبری ص ۹۷ ج ۵)

سیدنا حضرت عثمانؓ کا جواب

امراء صوبجات کی تقریریں سننے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خطبہ مسنونہ پڑھا۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا:۔

"آپ صاحبان نے جن خیالات کا اظہار کیا اور جو مشورے دیئے ان سب پر میں نے غور کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہر ایک معاملہ کا دروازہ ہوتا ہے۔ اسی دروازہ سے اس تک پہنچا جا سکتا ہے۔ یہ معاملہ اور یہ حادثہ جس کا خطرہ ہے پیش آکر رہے گا۔ اس کا وہ دروازہ جس پر تالہ پڑا ہوا تھا، جس کی وجہ سے حدود الٰہیہ کے علاوہ اور معاملات میں نرمی موافقت اور یک جہتی حاصل کر لی جاتی تھی۔ بہت جلد یہ دروازہ کھل جائے گا۔ اس کا تالہ ٹوٹ جائیگا۔ میرے خلاف کوئی صحیح حجت، کوئی معقول دلیل کسی کے پاس بھی نہیں ہے جو پیش کر سکے۔"

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کے ساتھ اور خود اپنے آپ کے ساتھ خیر اور بھلائی میں کوتاہی نہیں کی۔ حقیقت یہ ہے کہ فتنہ کی چکی گردش میں آنے والی ہے۔ عثمان مستحق مبارک باد ہوگا۔ اگر وہ اس حالت میں مر جائے کہ اس کی چکی کو گردش میں لانے میں اس کا کوئی حصہ نہ ہو۔ (یہی جذبہ تھا جس کی وجہ سے آپ نے اپنے تمام جان نثاروں اور فداکاروں کو سخت تاکید کر دی کہ آپ کی طرف سے کوئی مدافعت نہ

کرے۔ یعنی خون ریزی کے آغاز میں آپ کا یا آپ کے کسی متوسل و منتسب کا کوئی حصہ نہ ہونا چاہیے"

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سلسلۂ خطاب جاری رکھتے ہوئے فرمایا:۔

" لوگوں کو اعتراض کرنے کا موقع مت دو۔ کوئی صحیح الزام تم پر نہ آنا چاہیے۔ لوگوں کے حقوق تسلیم کرو۔ اور ان کو ادا کرو اور درگزر سے کام لیتے رہو۔ ہاں اللہ کے حقوق میں اگر لین دین شروع ہو جائے تو اس میں مداہنت نہ برتو (کمزوری نہ دکھاؤ)۔ (طبری صـ۹۹ و صـ۱۰۰ ج۵)

سبائیوں کا پہلا اقدام اور اس کا جواب

وہ منصوبہ کہ جب گورنر صاحبان مدینہ منورہ جائیں تو بغاوت کرکے ان کی واپسی کو ناممکن بنا دیا جائے۔ کوفہ کے علاوہ اور کسی جگہ کامیاب نہیں ہوا، تو اب خط و کتابت کے ذریعے یہ طے کیا گیا کہ تینوں مرکزوں کے کچھ نمائندے مدینہ منورہ پہنچیں۔ خود مدینہ والوں کے خیالات و رجحانات کا بھی اندازہ لگائیں اور امر بالمعروف کی قسم کے (اصلاحی مطالبات) رکھیں۔ مطالبات تسلیم نہیں ہوں گے، تو پروپیگنڈے کا موقع ملے گا۔ چنانچہ تحریک کے خاص خاص ارکان مدینہ منورہ پہنچے۔ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو علم ہوا، تو آپ نے دو آدمی مقرر کر دیئے کہ ان کے نظریات اور ان کے آئندہ پروگرام کا پتہ لگائیں۔ ان صاحبان نے ان میں گھل مل کر ان کے منصوبہ کا پتہ لگا لیا منصوبہ یہ تھا:۔

نرید ان نذکر له اشیاء قد زرعناها فی قلوب الناس ثم نرجع الیهم فنزعم لهم انا قررناه بها فلم یخرج منها ولم یتب ثم نخرج کانا حجاج حتّی نقدم فنحیط به فنخلعه فان ابی قتلناه (وکانت ایاها)

(طبری صـ۱۰۲ ج۵)

ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ہم خلیفہ سے ان باتوں کا تذکرہ کریں جن کو ہم نے لوگوں کے دلوں میں بویا ہے (جن کا پروپیگنڈہ کرکے لوگوں کے ذہنوں میں جمایا ہے) پھر ہم واپس ہو کر عوام کے پاس پہنچیں اور ہم ان سے کہیں کہ ہم نے سب کچھ ان سے کہا سب کچھ ثابت کر دیا۔ نہ وہ جواب دے کہ الزامات سے نکل سکے اور نہ آئندہ کے لیے) توبہ کی۔ اس کے بعد ہم اپنے اپنے مقامات سے حاجی بن کر نکلیں گے۔ یہاں تک کہ عثمانؓ کے یہاں پہنچ کر ان کا محاصرہ کر لیں گے اور ان کو خلافت سے الگ کر دیں گے اور اگر چون و چرا کریں گے تو ان کو قتل کر دیں گے۔ (یہی ہو کر رہا)۔

ان صاحبان نے دریافت کیا کہ کیا کچھ مدینے والے بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہیں۔ جواب دیا گیا۔ تین آدمی[1]۔ محمد بن ابی بکرؓ۔ محمد بن ابی حذیفہؓ۔ عمار بن یاسر[2] (رضی اللہ عنہ)

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں واپس آکر ان صاحبان نے رپورٹ پیش کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پہلے تو ہنسے۔ پھر آپ نے فرمایا اے اللہ ان لوگوں کو سلامت روی کی توفیق دے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو یہ افتراق پیدا کر دیں گے پھر فرمایا[3] حضرت عمار تو اس لئے مجھ سے ناراض ہیں کہ میں نے ان کو تادیب کی تھی۔ کیونکہ انہوں نے عباس بن عتبہ بن ابی لہب کو پیٹ دیا تھا۔

محمد بن ابی بکر اپنی حیثیت سے بلند تر عہدہ چاہتے تھے اور ایسے آزاد ہیں کہ اپنی کوئی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے۔ (وہ عہدہ نہ ملنے کی وجہ سے خار کھائے بیٹھے ہیں) محمد بن حذیفہ فتنے پیدا کرنے کے عادی ہیں۔

جلسہ عام میں حضرت عثمانؓ کی تقریر[3]

پھر آپ نے کوفہ اور بصرہ کے باشندوں کو جو مدینہ میں تھے بلوایا اور عام جلسہ کا اعلان کرا دیا۔ کوفی اور بصری صاحبان کو منبر کے

---

[1] مودودی صاحب ان مورخین کے بیان سے متاثر ہیں جنہوں نے کہا کہ چند کے سوا شہر میں کوئی اصحابی ایسا نہیں تھا جو حضرت والا کی حمایت میں زبان کھولتا۔ (خلافت وملوکیت صہ ۳۳۰) لیکن غور کیا جائے تو ان دونوں بیانوں میں تضاد نہیں ہے۔ جیسا کہ مودودی صاحب نے سمجھا ہے اور اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ اگر کوئی حامی نہیں تھا تو بلوائیوں سے گفتگو کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تیس آدمی کیسے چلے گئے ہمارے خیال میں تضاد اس لئے نہیں ہے کہ بلوائیوں کے حامی اور ان کی سازش میں شریک صرف یہ تین آدمی تھے۔ باقی جملہ اہلِ مدینہ بلوائیوں کے دباؤ اور ان کے پروپیگنڈے سے ایسے متاثر اور دم بخود تھے کہ کچھ بول نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ مودودی صاحب دوسرے موقع پر خود ہی فرما رہے ہیں کہ واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ اچانک مدینہ پہنچ گئے تھے اور انہوں نے اہم ناکوں پر قبضہ کر کے ایک حد تک اہلِ شہر کو بے بس کر دیا تھا۔ (خلافت وملوکیت صہ ۱۱۹)

[2] حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ نے ان لوگوں کی مخالفت کے اسباب کسی قدر وضاحت سے بیان فرمائے ہیں۔ آپ نے فرمایا محمد بن حذیفہ یتیم تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی پرورش کی۔ جب بڑے ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عہدہ کی فرمائش کی۔ آپ نے فرمایا بیٹا! اگر تمہارے اطوار اچھے ہوتے (لوکنت اذ عنی) پھر عہدہ طلب کرتے تو میں کوئی منصب دے دیتا، مگر خود تمہارے حالات اور اطوار ایسے نہیں ہیں کہ کوئی عہدہ تمہارے سپرد ہو۔ (لست هناك) اس نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں کہیں باہر جا کر کوئی کام دیکھوں، جس سے میرا گزران ہو سکے۔ فرمایا مناسب ہے۔ جہاں مناسب سمجھو چلے جاؤ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باہر جانے کی اجازت دی تو ان کو سامان بھی دیا۔ سواری کے لئے اونٹ دیا اور نفقہ رقم دی۔ پھر جب مصر پہنچ گئے تو ان میں شامل ہو گئے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش کر رہے تھے اور حضرت عمار اس لئے ناراض تھے کہ ان کے اور عباس بن عتبہ کے درمیان بات چلی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دونوں کی تادیب کی۔ طبری صہ ۱۳۵ ج ۵ محمد بن ابی بکر کی ناراضگی کی وجہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کی کہ ان کی ناراضگی کا سبب تھا عجب اور طمع۔ عجب (خود پسندی) یہ کہ اسلام میں حیثیت تو ان کی وہ تھی جو سب جانتے تھے اور لوگوں نے ان کو چڑھا دیا کہ آپ کی شان بہت بڑی ہے۔ حالانکہ نہ عمر نہ قابلیت۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔ یعنی ۱۳ھ میں جب یہ شورش ہوئی ان کی عمر بیس سال کے قریب ہو گی۔ پھر ان میں ایک طرح کی اکڑ تھی (کانت دالۃ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ مداہنت نہیں کی، بلکہ ان کی گرفت کی تو یہ ناراض ہو گئے۔ (طبری صہ ۱۳۶ ج ۵)

یہ خیال رہنا چاہیے کہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ اور حضرت سالم بن عبد اللہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ علماء اکرام کے سرتاج ہیں۔ مدینہ کے ان سات فقہاء میں شمار ہوتے ہیں جو فقہ کی بنیاد مانے جاتے ہیں ——— محمد میاں

[3] ملاحظہ فرمائیے۔ تاریخ طبری صہ ۱۰۲ و صہ ۱۰۳ ج ۵۔

قریب بٹھایا اور عام مسلمان ان کے گرداگرد بیٹھے۔ پھر آپ نے ان سازشی لوگوں کی مدینہ منورہ میں آمد کا تذکرہ فرمایا پھر ان دونوں کو جنہوں نے پتہ لگا کر رپورٹ دی تھی۔ سامنے کھڑا کیا اور تمام حالات لوگوں کے سامنے بیان فرمائے حاضرین نے ایک آواز ہو کر کہا۔ ان کو قتل کر دیجئے۔ ان کی گردنیں اڑا دیجئے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب ایک امام موجود ہے تو اگر کوئی شخص خود اپنے سے یا کسی اور شخص سے بیعت کی دعوت دیتا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ اس کو قتل کر دو۔ حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے۔ ایسے شخص کے واسطے میں عام مسلمانوں کے لئے ایک ہی بات جائز قرار دیتا ہوں کہ اس کو قتل کر دیں اور قتل کرنے والے مجھ کو بھی اپنا شریک کار سمجھیں۔ (اس ذمہ داری میں میں بھی برابر کا شریک ہوں)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ میں اس کی تو اجازت نہیں دیتا، بلکہ ہم عفو و درگزر سے کام لیں گے۔ ان کی معذرت قبول کریں گے۔ ان کو سمجھائیں گے اور اس کا موقع دیں گے کہ وہ معذرت کریں اور ہم سزا اسی کو دیں گے جو کوئی ایسا فعل کرے گا جو شرعاً قابلِ سزا ہے۔ (جس کی شریعت نے کوئی سزا (حد) مقرر کی ہے) یا اس کو جو کفر کا اظہار کرے۔

الزامات کا جواب

پھر آپ نے فرمایا یہ لوگ کچھ الزام لگاتے ہیں اور ان کے الزامات کے جوابات بھی ان کو معلوم ہیں۔ مگر پھر بھی وہ مجھے بار بار ٹوکتے ہیں اور ان الزاموں کو اچھالتے ہیں منشا یہ ہے کہ عام لوگ جو واقف نہیں ہیں ان کی نظریں مجھے مجرم گردان دیں۔ ایک الزام یہ ہے کہ میں سفر میں نماز قصر نہیں پڑھتا۔ پوری نماز پڑھتا ہوں۔ بے شک میں نے منیٰ میں قصر نہیں کیا۔ پوری نماز پڑھی۔ اس لیے کہ مکہ میں میرے اہل و عیال ہیں۔ اس لئے میری حیثیت یہاں مسافر کی نہیں رہتی اور اس لئے بھی کہ بہت بڑی تعداد ان نومسلموں کی آگئی تھی جو احکام اسلام سے واقف نہیں تھے، وہ یہی سمجھ جاتے کہ ان نمازوں کی رکعتیں دو دو ہی ہیں۔ فرمائیے میں نے ٹھیک کیا

ایک اعتراض یہ ہے کہ میں نے مدینہ کا ایک رقبہ چراگاہ کے لئے مخصوص کر دیا۔ یہ صرف میں نے ہی نہیں کیا۔ مجھ سے پہلے بھی رقبے چراگاہوں کے لئے مخصوص کئے جاتے رہے ہیں۔ (تاکہ جو اونٹ زکوٰۃ و صدقات میں آتے ہیں وہ وہاں چر سکیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فوج کے گھوڑوں کے لئے ایک چراگاہ مخصوص کی تھی۔ اس پر بھی بہت اعتراض کیا گیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کا جواب دینا پڑا تھا) (بخاری شریف ص۴۳۰) پھر میں نے کسی شخص کی مملوکہ

زمین چراگاہ میں شامل نہیں کی۔ میں نے اسی علاقہ کو مخصوص کیا جس پر مدینہ والے زبردستی قابض ہو گئے تھے۔ بایں ہمہ کسی کو وہاں مویشی چرانے کی ممانعت نہیں ہے اور نہ کسی کو وہاں سے ہٹایا گیا ہے۔ یہ چراگاہ صدقات کے اونٹوں کے لئے مخصوص ہے اور یہ تخصیص اور حد بندی اس لئے کی جاتی ہے کہ لوگوں سے جھگڑا نہ ہو۔ بے شک کچھ وہ تھے جو روپیہ خرچ کرکے اپنا حق قائم کرنا چاہتے تھے۔ ان کو بلاشبہ اس کا موقع نہیں دیا گیا۔

جہاں تک میرا تعلق ہے تو میرے پاس میری سواری کی صرف دو اونٹنیاں ہیں۔ ان کے علاوہ نہ میرے پاس اونٹ ہے نہ بکری۔ آپ سب حضرات کو معلوم ہے کہ جب میں خلیفہ بنایا گیا تو مدینہ میں سب سے زیادہ اونٹ اور بکریاں میرے پاس تھیں۔ مگر آج میرے پاس نہ اونٹ ہے نہ بکری۔ صرف دو اونٹ ہیں جو سفر حج کے لئے ہیں۔ اپنے پاس رکھتا ہوں فرمائیے جو کچھ میں نے کیا صحیح ہے۔ آواز بلند ہوئی، بالکل ٹھیک ہے۔

ایک اعتراض یہ ہے کہ میں نے قرآن پاک کے متفرق نسخوں کو ختم کرکے صرف ایک نسخہ باقی رکھا ہے، تو دیکھیے قرآن ایک ہی ہے۔ اس کی طرف سے نازل ہوا جو واحد ہے۔ میں نے جو کچھ کیا اس میں اتباع کی ہے (بڑوں کے نقش قدم پر چلا ہوں) کہ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) نے قرآن کو جمع کیا۔ وہ صرف سینوں میں تھا۔ اس کو مرتب کرکے کاپیوں کی شکل میں رکھا۔ میں نے ان کاپیوں کی ایک کتاب بنا دی۔ فرمائیے۔ میں نے غلط کیا۔ حاضرین نے بالاتفاق کہا۔ غلط نہیں کیا۔ بلکہ بالکل صحیح کیا۔

اعتراض یہ ہے کہ حکم بن العاص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے نکال کر طائف بھیج دیا تھا۔ میں نے اس کو واپس بلا لیا، یہ غلط ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اس کو اجازت دی تھی، پس آپ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) ہی اس کو نکالنے والے ہیں۔ آپ ہی واپسی کی اجازت دینے والے فرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیرہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ردہ (طبری ص ۱۰۲ و ص ۱۰۳) فرمائیے واقعہ یہی ہے۔

حاضرین نے کہا۔ بالکل ٹھیک۔

کہتے ہیں میں نے نوجوانوں کو منصب دیئے ہیں۔ بے شک مگر میں نے انہیں نوجوانوں کو منصب دیئے ہیں۔ جو منصب کی تمام صلاحیتیں اپنے اندر رکھتے ہیں[لہ] ۔۔۔ اور تمام شرطیں پوری کرتے ہیں، وہ لوگ موجود ہیں۔ آپ صاحبان خود تحقیق کر لیجئے اور مجھ سے پہلے ان سے بھی کم عمر نوجوانوں کو بڑے بڑے منصب دیئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے جب اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہ) کو ایک فوج کا افسرِ اعلیٰ بنایا تھا۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کے متعلق بھی چہ میگوئیاں ہوئی تھیں۔ فرمایئے میں سچ کہہ رہا ہوں۔ حاضرین نے ایک زبان ہو کر جواب دیا۔ آپ ٹھیک فرما رہے ہیں

ایک اعتراض یہ ہے کہ میں نے ابن ابی سرح کو پورا مالِ غنیمت دے دیا۔ یہ غلط ہے میں نے خمس کا خمس یعنی مالِ غنیمت میں، بیت المال کا پانچواں حصہ ہوتا ہے۔ میں نے اس پانچویں کا پانچواں بطور انعام دیا تھا، وہ ایک لاکھ ہوتا تھا اور جہاد کے موقع پر حوصلہ افزائی کے لئے ایسے انعامات حضرت ابوبکر اور حضرت فاروقِ اعظم بھی دیتے رہے ہیں۔ مگر لشکر والوں نے کہا کہ ان کو یہ پسند نہیں ہے اور ان کو اس سے ناگواری ہے۔ میں اس کو ابن ابی سرح سے واپس لے کر تمام لشکر والوں پر تقسیم کر دیا۔ حالانکہ لشکر والوں کو یہ ناگواری نہ ہونی چاہیے تھی۔ آپ حضرات بتایئے واقعہ یہی ہے۔ سب نے جواب دیا بے شک واقعہ یہی ہے۔

اعتراض کرتے ہیں کہ میں اپنے اہلِ بیت سے محبت کرتا ہوں اور ان کو عطیے دیتا ہوں۔ بے شک مجھے اپنے اہلِ بیت سے محبت ہے۔ مگر یہ محبت[۲] ان کے ساتھ کسی ظلم پر کبھی مائل نہیں ہوئی، بلکہ اس نے ان کے اوپر حقوق لادے ہیں۔ رہا عطیے دینا تو جو کچھ میں نے کسی کو دیا۔ اپنے پاس سے دیا۔ مسلمانوں کے مال کو میں نہ اپنے لئے جائز سمجھتا ہوں نہ کسی بھی انسان کے لئے۔ اور میں خاص اپنے مال سے بڑے بڑے عطیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں بھی دیتا رہا ہوں اور حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے دور میں بھی۔ حالانکہ میں اس وقت اپنی عمر کے اس دور میں تھا جب انسان بخیل اور مال کا حریص ہوا کرتا ہے اور اب جب میں اس عمر کو پہنچ گیا ہوں جو میرے خاندان کے لوگوں کی ہوتی ہے اور میری زندگی بیت چکی ہے اور جو کچھ میرا، میرے اہل وعیال میں تھا اس کو رخصت کر چکا ہوں تو یہ بے دین یہ باتیں کہتے ہیں اور حقیقت ہے کہ میں نے کسی بھی شہر پر کسی محصول (ٹیکس) کا اضافہ نہیں کیا کہ اس طرح کی شکایتوں کا جواز ثابت ہو (بلکہ) واقعہ یہ ہے کہ اس طرح کے اضافہ کو میں نے مسترد اور نامنظور کیا ہے۔ میرے پاس صرف خمس آتے ہیں۔ ان میں سے کچھ بھی میرے لئے حلال نہیں ہے۔ مسلمان ہی ذمہ دار ہوتے ہیں کہ خمس کے رقومات کو اس کے مستحقوں کو ادا کریں اور جائز موقعوں پر صرف کریں اور اللہ کے مال میں سے ایک پیسہ بے موقعہ صرف نہ کریں۔ میں اس مال میں سے کچھ بھی اپنے لئے وصول نہیں کرتا۔ میرا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ میں صرف اپنے

---

[۱] چنانچہ محمد بن حذیفہ اور محمد بن ابی بکر میں اہلیت نہیں تھی۔ ان کو منصب نہیں دیا۔ اسی لیئے وہ حضرت عثمانؓ کے خلاف سازش میں شریک ہو گئے۔ (محمد میاں) [۲] الفاظ یہ ہیں۔ اما حبی فانہ لم یمل معہم علی جور بل احمل الحقوق علیہم۔ (طبری ص ۱۰۳ ج ۵ یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے کہ میری محبت ان کے ساتھ کسی ظلم پہ مائل نہیں ہوئی۔ ان کی غلطیات کی میں نے کبھی حمایت نہیں کی بلکہ میں نے ان پر حقوق کا بوجھ ڈالا ہے)

مال سے کھاتا ہوں۔

ایک اعتراض یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو زمینیں دی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اراضی مفتوحہ میں حضرات مہاجرین اور انصار سب شریک تھے، پھر جن حضرات نے ان مفتوحہ علاقوں میں قیام فرمایا وہ وہاں کے ساکن ہو گئے، تو ان کی وہی حیثیت ہو گئی جو وہاں کے باشندوں کی ہے۔ ان کے وہی حقوق ہیں جو اس علاقے کے دوسرے لوگوں کے حقوق ہیں اور جن حضرات نے وہاں قیام نہیں فرمایا۔ وہ اپنے وطن واپس آ گئے، تو اس سے ان کا وہ حق تو ضائع نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ نے ان مفتوحہ جائیدادوں میں ان کے لئے مقرر کیا ہے۔ میں نے ایسے حضرات کے حصوں کی تحقیق کرائی۔ پھر میں نے ان کے ان حصوں کو ان کی فرمائش پر ان لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دیا جو بلادِ عرب میں صاحبِ جائداد ہیں۔ فروخت کرنے کے بعد یہ حصے ان کے نام منتقل کر دیئے، وہ انکے قبضے میں ہیں۔ میرے قبضہ میں نہیں (اور ان کے قبضہ میں میری بخشش سے نہیں پہنچے، بلکہ انہوں نے قیمت ادا کی۔ تب ان کو ملے ہیں)

معترضہ

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود اپنی تمام املاک اور جائیدادوں کو تقسیم کر دیا تھا اور صرف اپنے وارثوں پر نہیں بلکہ اپنے مورث اعلیٰ امیہ کی تمام اولاد پر۔ اس طرح کہ حضرت عثمان کے لڑکوں کو بھی اتنا ہی حصہ ملا تھا جو امیہ کے پوتوں پڑپوتوں کو ملا۔ دادا کی اولاد میں سے ہر ایک کے حصہ میں دس دس ہزار آئے تھے۔ اسی طرح دس دس ہزار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صُلبی لڑکوں کو ملے۔ خاندانِ بنو امیہ کی اور شاخوں بنی عاص، بنی عیص اور بنی حرب کے افراد کو بھی اسی نسبت سے حصے ملے تھے۔ (طبری ج ۵ ص ۱۰۳)

(۲) سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایام حج سے پہلے محصور ہو گئے تھے آپ نے اپنی طرف سے سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو انتظامات حج کا امیر بنا کر بھیجا اور ایک خطبہ تحریر فرما کر آپ کو دیا۔ جس کو حضرت ابن عباس نے سیدنا امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے پڑھ کر سنایا۔ خطبہ میں زیادہ تر قرآن پاک کی آیتوں سے استفادہ کیا ہے۔ دو تہائی سے زیادہ حصہ میں وہ آیتیں جن میں مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق، اطاعتِ امیر، اعمال صالح، قیامِ نظم اور احساناتِ خداوندی کے شکر وغیرہ کی تلقین ہے، پھر موجودہ حالات پر نہایت لطیف اور مدبرانہ تبصرہ ہے۔ اعتراضات کے جوابات ہیں۔ نیز یہ کہ شکایتوں کی تحقیق کی گئی۔ جن امراء کو الگ کرنے کے لئے کہا گیا، ان کو معزول کر دیا گیا۔ آئندہ کے لئے بھی یہ کہہ دیا گیا کہ جن اصلاحات کی ضرورت ہو گی نافذ کی جائیں گی، مگر ان کو میری زندگی بھاری معلوم ہو رہی ہے، وہ قضائے الٰہی کو جلد سے جلد جاری کرنا چاہتے ہیں۔ بہرحال میری ہدایت یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرو۔ طالبِ دنیا نہ بنو۔ آخرت کے ثواب کی کوشش کرو، کوئی ایسا کام نہ کرو جس

سے خون ریزی کا سلسلہ شروع ہو اور میں خدا کی قسم اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوں کہ حق پر قائم رہو۔ انصاف سے کام لو، میرے ساتھ بھی حق و انصاف کا معاملہ کرو اور مجھ سے اسی کا مطالبہ کرو۔ بے شک میں نے کچھ لوگوں کو سزائیں دی ہیں۔ مگر جن کو سزا دی وہ اسی حق کی خاطر۔ آخری الفاظ یہ ہیں۔ وانا اسئا اللہ عزوجل ان یغفرلی ولکم ویولف بین قلوب هذه الامة علی الخیر ویکره الیها الفسوق والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته ایها المؤمنون والمسلمین (طبری ج ۵ ص ۱۴۰ تا ۱۷۲)

تقریر کا اثر

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقریر کا جو ترجمہ پیش کیا گیا ہے وہ تحت اللفظ ہے۔ مفہوم نہیں ادا کیا بلکہ لفظی ترجمہ کیا ہے۔ اس تقریر کے بعد صورتِ حال کیا تھی، علامہ طبری کے الفاظ یہ ہیں۔

لانت حاشیة عثمان لاولئك الطوائف وابی المسلمون الا قتلهم وابی الا ترکهم۔

(ترجمہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا رخ ان (گمراہ) جماعتوں کے لئے نرم ہی رہا۔ مسلمان صرف یہ بات مانتے تھے کہ ان کو قتل کر دیا جائے اور حضرت عثمان نے درگزر اور چھوڑ دینے کے علاوہ کسی بات کو تسلیم نہیں کیا۔ (طبری، ج ۵ ص ۱۰۳)

غور فرمائیے اب مدینہ وہ نہیں رہا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت ابوبکر کے دورِ مبارک میں تھا۔ اس پچیس سال کے عرصہ میں مدینہ کی آبادی تقریباً تین میل سلع پہاڑ تک پہنچ گئی ہے۔ اس میں آباد ہونے والے صرف حضراتِ مہاجرین و انصار اور ان کی اولاد نہیں بلکہ آباد ہونے والے وہی ہیں جو کوفہ اور بصرہ میں آباد ہو رہے تھے۔ حضراتِ مہاجرین و انصار کی تعداد چند سو سے زیادہ نہیں۔ باقی ہزاروں کی تعداد میں موالی (یعنی عجمی) اور ان قبائل کے لوگ ہیں جو بعد میں مسلمان ہوئے، لیکن ان سب کا اصرار یہ ہے کہ ان نکتہ چین سازش کرنے والوں کو قتل کر دیا جائے۔ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں کہ آڑے آرہے ہیں۔ ان کا دل ان کیلئے نرم ہے اور صرف درگزر کا اصول ہی اختیار کر رہے ہیں۔

اس سال جامعہ مدنیہ میں بخاری شریف کا ختم شیخ الحدیث حضرت مولانا الحاج مفتی محمود مدظلہم نے کرایا۔ اس موقع پر آپ نے جو تقریر فرمائی وہ رمضان المبارک یا شوال کے شمارہ میں شائع کر دی جائیگی۔ انشاء اللہ۔

محترم مولانا قدرت اللہ قدرت
مراد آبادی

نعت

دیارِ محترم ہو اور مَیں ہوں — مدینے کا حرم ہو اور مَیں ہوں
مدینہ ہی ہو آنکھوں کا نگینہ — یہی بس جامِ جم ہو اور مَیں ہوں
ریاض الجنۃ جس جا کو کہا ہے — وہی باغِ ارم ہو اور مَیں ہوں
نوازا تھا مجھے اک بار جیسے — وہی لطف و کرم ہو اور مَیں ہوں
غمِ دنیا سے دل ہو پاک میرا — حضوری کا ہی غم ہو اور مَیں ہوں
مجھے سودا ہو زلفِ عنبریں کا — خیالِ پیچ و خم ہو اور مَیں ہوں
قلم لکھتا رہے نعتِ محمدؐ — مدادِ چشمِ نم ہو اور مَیں ہوں

نہ قدرت دردِ دل میں کچھ کمی ہو
اضافہ دم بہ دم ہو اور مَیں ہوں

قسط : ۹

حضرت مولانا سیّد حُسین احمد مدنیؒ کے پاکیزہ حالات

حیاتِ شیخ الاسلام

شیخ الحدیث حضرۃ علّامہ مولانا سیّد محمّد میاں صاحب مدظلہ

مصائب کا خاتمہ کیونکر ہو

اے حضرات جو کچھ عراق میں ہوا، سوریا میں کھلا، استنبول میں پھلا، حجاز میں پھولا، فرانس، جرمن وغیرہ میں نمودار ہوا، ہماری غفلت، ہماری اعانت، ہماری بے وجہ وفاداری، ہماری خلافِ حقیقت غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ ہندوستان میں بھی جو کچھ پیش آیا، خواہ وہ جلیانوالہ باغ میں تھا یا پنجاب کے دیگر علائق میں خواہ وہ کلکتہ کی سڑکوں اور مساجد میں ہوا ہو یا دہلی اور بمبئی کے بازاروں پر وہ سب ہماری ہی کم توجّہی کا ثمرہ ہے۔ ہم نے حکومت کو اس غرور پر پہنچایا ہے کہ وہ آج کسی آواز پر کان نہیں دھرتی اور کبر و عظمت کے نشہ میں اس قدر چُور چُور ہے کہ اس کو ہماری طرف منہ پھیرنا ذلّت اور رسوائی معلوم ہوتا ہے۔ انگلینڈ کے عوام اور پادریوں پر مذہبی جنون اس قدر غالب ہے کہ مسلمانوں کیلئے وہ صدائے قرآنی کا باقی رہنا اور کسی مسجد کا استنبول میں قائم رہنا بڑے سے بڑا جُرم سمجھتے ہیں۔ ان پر قومی تعصّب کا رنگ اس قدر چڑھا ہوا ہے کہ وہ ہندوستان جو اُن کو مالی جانی ہر قسم کی مددوں سے پال رہا ہے۔ اس کو کتّے سے بھی بدتر سمجھتے ہیں اور ان کی ہر طرح تذلیل و توہین کرتے ہیں۔ ہمارا ملک، ہمارا وطن، ہمارا مال، ہماری فوج، اور پھر ہم ہی ذلیل و خوار، ضعیف و ناتواں۔ ہمارے ہی حقوق روزانہ سلب کیے جاویں، ہم ہی مجبُور کیے جاویں۔ ہم پر ہی سخت سے سخت قانون نافذ کیے جاویں۔ پھر آخر اس کا علاج کیا ہے اور آئندہ کے لیے صورتِ فلاح کیونکر ہو سکتی ہے۔ غلامی کا طوق اور جی حضور کی بیڑیاں کس طرح نکل سکتی ہیں۔ ظالم کو حق کے سامنے کس طرح دوزانو بٹھا سکتے ہیں۔ اس پر غور کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر اس مرض کے علاج میں اب بھی سُستی کی جاوے

گی تو رہی سہی رمق بھی جاتی رہے گی اور موت کے سوا کوئی راہ نہ ہمارے لیے ہے اور نہ ہماری آئندہ نسلوں کے لیے ہو سکتی ہے۔

ہم اس کلّی کو فقط ایک فرد میں منحصر پاتے ہیں وہ یہ کہ حکومت مستقلہ حاصل کی جاوے جس کو سوراج سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے ماسوا تجارت نے جملہ راستے بند کر دیے۔ جب تک وہ حاصل نہ ہوں ہم کو نہ اپنے آپ کو اور نہ آئندہ نسلوں کو زندہ خیال کرنا چاہیے اور دوسری ایشیائی اور افریقی قوّتوں کی محافظت کرنا کرنا ناممکن سمجھنا چاہیے۔

انجمن علمائے بنگال منعقدہ رنگ پور کے خطبۂ صدارت میں ارشاد فرمایا:

اے حضرات علمائے کرام! جیسے کہ آپ کا ذِمّہ ہے کہ مسلمانوں کے مذہب اور جان کی حفاظت میں اپنے تن اور من کو صرف کریں اور ہر ممکن طریق سے اس میں کوشاں رہیں، اسی طرح آپ کا فرض منصبی ہے کہ مسلمانوں کے مال اور آبرو کی بھی حفاظت میں پوری طرح حِصّہ لیں۔ اگر "من قتل دون نفسہٖ فھو شھید" نفس مسلمہ کے واجب الاحترام ہونے پر دلالت کرتا ہے اور "من قتل دون عرضہ فھو شھید" اس کے مال اور آبرو واجب الاحترام ہونے پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اگر ایک جگہ فرمایا گیا ہے: "وان حرمۃ مالہ کحرمۃ دمہ" مسلمان کے مال کا احترام اس کے خون کے احترام جیسا ہے، تو دوسری جگہ وارد ہے: "الا ان دماءکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھرکم ھذا" خبردار ہو جاؤ، تمہارے خون اور مال اور آبرو سب کی سب اسی طرح تم پر حرام ہیں جیسا کہ حج کا دن حرم محترم میں ذی الحجہ کے مہینہ ہیں۔

اس مقام میں احادیث و آیات بہت ہی زیادہ وارد ہیں اور اسی وجہ سے فقہائے کرام ایک درہم کے نقصان کے وقت نماز توڑ دینے کی اجازت دے رہے ہیں۔ پھر آپ ذرا خیال فرمائیں کہ ہندوستان کی مالی حالت خصوصًا مسلمانوں کی کس طرح برباد کر دی گئی ہے۔ لگان فی صدی پچاس بلکہ بعض جگہ اسّی تک لیا جاتا ہے۔ تعلیمات حفظِ صحت و صفائی وغیرہ کے لیے فی صد سترہ لیا جاتا ہے۔ مزید برآں انکم ٹیکس، ہاؤس ٹیکس، کورٹ فیس وغیرہ کی بھرمار ایسی ہوتی رہتی ہے کہ مجموعہ تقریبًا فی صدی اسّی اور نوّے سے زیادہ اسی طرح نکل جاتا ہے۔

باقی ماندہ زمیندار کاشت کار دونوں میں مشترک ہے وہ بھی ریلوے، پوسٹ آفس، تار، مختلف چندوں

وغیرہ سے بچنے کے بعد یورپین تجارتوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ اگر اس کے بعد بھی کچھ رہا سہا تو دونوں پر قربان ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں تقریباً فی صدی نوّے محتاج ملیں گے اور فیصدی ۱۰ مشکل سے خوشحال مل سکیں گے۔ پھر خزانۂ ملکی کے مصارف کی حالت پر اگر آپ نظر ڈالیں گے تو عجیب حالت ہے۔ اوّل تو یورپین عہدیداروں کو اس قدر بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی ہیں جس کی حدود وغایت نہیں۔ فوج میں ایک گورے کے مصارف بہ نسبت ہندوستانی فوجی کے گیارہ گنا زیادہ ہیں۔ لاکھوں نہیں کروڑوں روپیہ انگریز عہدیداروں کے پنشن کا سالانہ چلا جاتا ہے جو دفتر وزارتِ ہند کا خرچ کئی ملین پونڈ کا ہے' ان دونوں مدوں کا مجموعہ نوّے کروڑ روپیہ سالانہ ہے، علاوہ ازیں انڈین نیشنل ڈپٹیشن جو کہ تقریباً تیرہ کروڑ پونڈ مختلف لڑائیوں کی بنا پر ہندوستان پر بلا وجہ ڈالا گیا ہے، اس کا سود سات کروڑ پینسٹھ لاکھ پونڈ سالانہ خزانۂ ہند سے نکالا جاتا ہے جس کے ایک ارب چودہ کروڑ پچھتّر لاکھ روپے ہوتے ہیں۔

پھر ایسی صورتوں میں کیا خیال فرما سکتے ہیں کہ ہندوستان کی مالی حالت کس طرح درست ہو سکتی ہے۔ ابھی ابھی ڈیوک آف کناٹ کے مصارف ۴۱ لاکھ ۵۳ ہزار خزانۂ ہندوستان سے خرچ کیا گیا ہے جس کو اسٹیٹمین مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۲۱ء نے تفصیلی طور پر ذکر کیا ہے۔ ممدوح کی اس آمد سے جو جو فوائد ہندوستان کو ہوئے معلوم ہیں۔ گزشتہ مصارف کی تلافی میں سوائے بھلا دینے کی وصیت کے اور کیا پڑھایا؟

خود تجارت اور صنعت و حرفت کی بنا پر جو صدمہ ہندوستان کی مالی اور اقتصادی زندگی پر پڑا ہے وہ حدِ بیان سے باہر ہے۔ آپ تاریخ اٹھا کر دیکھیں اور پھر زمانۂ گزشتہ اور زمانۂ حاضرہ سے مقابلہ فرمائیں، دیکھیے کس طرح زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔

ہندوستان کی تاریخ ابتدائے دنیا سے آج سے ڈیڑھ سو برس تک نہایت چمکدار اور زریں نظر آتی ہے۔ وہ فقط زراعتی ملک نہ تھا بلکہ تجارت میں بھی اس کا پایہ تمام ملکوں سے بلند تھا۔ اس نے فقط علمِ ہندسہ، حساب، نجوم، طب، ملو یدک، موسیقی وغیرہ سے تمام عالم کی رہنمائی نہیں کی، بلکہ تہذیب و تمدن کے اعلیٰ سے اعلیٰ قوانین اور فرمانروائی اور جہانداری کے عمدہ سے عمدہ ضوابط بھی بنائے جس کے سبب سے بزرجمہر اور دیگر حکمائے فارس و ایران کو ہندوستان میں طالب علمی کی غرض سے آنا پڑتا تھا۔

شاہانِ فارس ویونان وغیرہ سینکڑوں روپیہ نہیں لاکھوں اور کروڑوں دینار خرچ کرکے یہاں کی کتابوں اور علوم سے استفادہ کرتے تھے۔ خلفائے عباسیہ کے دربار میں ہندوستان کے مشہور اطبا اور فلاسفر ذکر کیے جاتے ہیں۔ نوشیرواں اور بطلیموس کی تاریخوں میں بھی ہندوستانی علوم وفنون اور یہاں کے حکماء کا ذکر نہایت وقعت اور عظمت کے ساتھ سُنیں گے۔ آپ ہر قسم کی صنعتوں میں گزشتہ تواریخ میں ہندوستان کا مرتبہ اعلیٰ دیکھیں گے۔ جب سے ہندوستان کو اسلامی آفتاب نے روشن کیا اس وقت سے اس کی عظمت دوبالا ہوگئی۔ اس میں عجم اور ترک اور عرب سے ایسے بہت سے فنون اور صنعتیں بڑھ گئیں جن کا وجود پہلے سے یہاں پر نہ تھا؛ غرضیکہ ہندوستان کمالاتِ مادیہ اور روحیہ ظاہریہ اور باطنیہ کا اعلیٰ درجہ کا مرکز رہا ہے جس کے شواہد کثرت سے بلکہ روشنی میں ستاروں سے بھی زیادہ ہیں، مگر انگریزی تسلط ہونا تھا کہ ہر ایک کمال جوں حرف غلط صفحۂ ہستی سے مٹنا شروع ہوگیا۔ اوّل تو یہ ہندوستان اپنی مصنوعات اور ملبوسات سے ایشیا، افریقہ، یورپ کو مزین کرتا تھا۔ پرتگالی فرنچ حکومتِ بندقیہ جزائر سوریہ، انگلینڈ یہاں سے تجارت کے لیے یہاں کے ساختہ چیزیں لے جاکر نفع اٹھاتے تھے۔ مگر آج یہ حال ہے کہ فقط سوتی کپڑے کی وجہ سے ۶۰ کروڑ دیگر چیزوں کے روپیہ کو چھوڑ کر ہندوستان سے نکل رہا ہے جس کا حساب نہیں۔ بعض رپورٹوں سے معلوم ہوا کہ ابھی ابھی گزشتہ سالوں میں فقط ربڑ کی گنگھیاں وغیرہ چار کروڑ روپیہ سے زائد کی آئی ہیں۔

اے حضرات علمائے کرام! جب کہ آپ کو معلوم ہے کہ دینی اور دنیاوی ترقی کمال صنعت وحرفت وغیرہ پر موقوف ہے اور ان چیزوں کا شرعی حیثیت سے بھی محفوظ کرنا آپ پر ضروری ہے۔ ادھر انگلینڈ اپنی قوت، ثروت، تجارت، صنعت وحرفت کے بڑھانے کے لیے خلافِ عہد ہر صورتِ قانونی اور عملِ مخفی سے ہندوستان کی مالی اور اقتصادی زندگی کا گلا گھونٹ رہا ہے جس کی تفصیل میں اس مختصر بیان میں کسی طرح نہیں دکھا سکتا۔

البتہ آپ کے سامنے ایک اجمالی حالت پیش کرکے اندازہ کرانا چاہتا ہوں کہ انگلینڈ کی مجموعی آمدنی کی حیثیت سے فی کس سالانہ آمدنی ۳۰۲ پونڈ جس کے چار ہزار پانچ سو تیس روپے ہوتے ہیں اور ہندوستان کی آمدنی مجموعی کے لحاظ سے فی کس سالانہ ایک پونڈ تو درکنار ایک روپیہ بلکہ آٹھ آنے بھی نہیں ہوتی۔ یہی تو وجہ ہے کہ آج ہندوستانی قحط اور بھوک کی وجہ سے بے خانماں ہوتے ہوئے جان بحق تسلیم کر رہے ہیں۔ دوسرے ملکوں

میں ٹھوکر کھا رہے ہیں۔ کوئی پیشہ ان کے ہاتھ میں کمائی کا نہیں رہا۔

آخر آپ حضرات پر اس کی فکر بھی لازم ہے یا نہیں۔ ریلوے، تار، پوسٹ آفس، جنگلات وغیرہ کے ذریعے سے جو کچھ ہندوستان کا روپیہ کھینچا جا رہا ہے وہ علیحدہ ہے۔ غرضیکہ یہ بھی ایک بڑا فریضہ ہے جس کی ذمہ داری سے آپ کسی طرح نہیں نکل سکتے۔ آپ خود ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ فوجوں کی تنخواہیں ہندوستان کے خزانے سے دی جا رہی ہیں۔ وسط ملک کی پیداوار سے ہی سپاہی ہندوستان سے بھرتی کیے جا رہے ہیں۔ اپنی اور اپنے اتحادیوں کی اغراض کے لیے کروڑوں روپیہ چندہ میں لیا جاتا ہے۔

انگلینڈ کے بڑے بڑے تاجر جب کہ قرضِ جنگ کے لیے دینے سے جان چراتے تھے، ہندوستان کے مالدار وغیرہ سے ہزاروں حیلہ سے کروڑوں روپیہ قرضہ لیا گیا، مگر بالآخر اس کے نتیجہ میں ہندوستان کو کیا ملا، بڈھی ماؤں اور بڈھے باپوں کا بے اولاد اور بے خانماں ہونا، نوجوان عورتوں کا بیوہ اور رانڈ ہونا، ننھے منے بچوں کا یتیم ہونا، رولٹ بل کا پاس ہونا، جلیانوالہ باغ میں رائفل اور مشین گن کا شکار ہونا، پنجاب وغیرہ میں طرح طرح کے مظالم کی دھواں دھار بارش میں ہلاک ہونا، ہر طرف سخت سے سخت قوانین زیرِ تجویز تحفظِ ہند پاس ہونا وغیرہ وغیرہ یہی وہ امورِ مذہبی اور سیاسی ہیں جنہوں نے تمام عالم میں بے چینی پھیلا رکھی ہے اسی لیے رہنمایانِ قوم اور علمائے اسلام اور پنڈتوں نے قرار دے دیا ہے کہ جب تک خلافت کے متعلق فیصلے ہمارے مطالبات کے موافق اور مجرمینِ پنجاب کو سزائیں حسبِ قرارداد عدالت و مساوات تمام ہندوستان کے لیے آزاد مستقل حکومت (سوراج) جس کے ذریعے سے ہر آئندہ شدائد سے نجات ہو سکتی ہے، نہ مل جائے کوشش سے صبر و سکون نہیں ہو سکتا۔

اعلان!

رسالہ میں ایسے طویل مضامین کی اشاعت جو قسط وار چھپتے ہوں اکثر قارئین کو ناگوار گزرتا ہے۔ اس لیے ادارہ نے ایسے مضامین کم کرنے کا فیصلہ کیا ہے ——— بنا بریں آئندہ انوارِ مدینہ میں "حیات شیخ الاسلام" کے عنوان سے شایع ہونیوالے مضمون (جو حضرت مولانا سید محمد میاں دامت برکاتہم کی کتاب "حیات شیخ الاسلام" سے ماخوذ ہوتا ہے) کی قسط شایع نہیں ہوگی۔

انشاء اللہ ادارہ اس کتاب (حیات شیخ الاسلام) کو کتابی شکل ہی میں طبع کرنے کی کوشش کرے گا جو امید ہے زیادہ مناسب اور مفید رہے گی۔ اور رسالہ میں اس مضمون کے بدلے میں الجمعیۃ کے شیخ الاسلام نمبر سے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے حالات اور مجاہدانہ کارنامے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جائے گی ——— ادارہ

از
مولوی قاری حافظ عبدالرشید صاحب
ابن حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب مدظلہم
متعلم جامعہ مدنیہ لاہور

شعبان

کے

فضائل و احکام

ماہِ شعبان کی پندرھویں رات کو شریعت میں "شبِ برأۃ" کہتے ہیں۔ اس بات کا ذکر قرآنِ پاک میں ہے یا نہیں اس بارے میں مفسرین کرام کا اختلاف ہے۔ کچھ مفسرین کا قول ہے کہ سورۂ دخان کی اس آیت اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ (بے شک ہم نے اس کو (قرآن پاک کو) اتارا ہے شب مبارک (کیونکہ) یقیناً ہم (اس کے ذریعہ) ڈرانے والے ہیں) میں اسی رات کا ذکر ہے لیکن جمہور مفسرین "لیلۃ مبارکۃ" سے شب قدر مراد لیتے ہیں۔ بخوفِ طوالت طرفین کے دلائل پیش نہیں کیے جاتے۔ قطع نظر اس سے کہ قرآن کریم میں اس کا ذکر ہے یا نہیں، ہم وہ احادیث ذکر کرتے ہیں جو شعبان اور شب قدر کے بارے میں ہیں۔

فضیلتِ شعبان

(۱) عن ام سلمۃ قالت: "ما رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصوم شهرین متتابعین الا شعبان و رمضان" (ترمذی ص۹۲)

حضرت امّ سلمہؓ (المتوفاۃ ۵۹ یا ۶۰ ھ) فرماتی ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دو متواتر مہینے روزہ رکھتے نہیں دیکھا سوائے شعبان اور رمضان کے۔ (ترمذی)

(۲) عن عائشۃ ام المؤمنین انہا قالت: "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم حتی نقول لا یفطر و یفطر حتی نقول لا یصوم وما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عائشہؓ رسول اللہ علیہ وسلم کے نفلی روزوں کے متعلق فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی اتنے روزے رکھتے تھے کہ ہم کہتے کہ اب چھوڑیں گے نہیں اور کبھی اسکے برعکس روزے رکھتے رکھتے چھوڑ دیتے حتیٰ کہ

استکمل صیام شهر قط الا رمضان وما رأیته فی شهر اکثر منه صیاما فی شعبان -

ہم سوچتے کہ اب روزہ نہیں رکھیں گے اور کبھی ہیں نے ان کو پورے ماہ کے روزے رکھتے نہیں دیکھا سوائے رمضان کے اور کسی مہینہ میں شعبان سے زیادہ روزہ رکھتے نہیں دیکھا (مسلم)

(مُسلم، جلد: ۱، ص ۳۶۵)

شعبان میں کثرت سے روزہ رکھنے کا ذکر بخاری، مُسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ، دارمی، مؤطا امام مالک اور مسند احمد کی متعدد جلدوں میں متعدد مقامات پر آیا ہے (مفتاح کنوز السنۃ)

دفع تعارض پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پورے ماہِ شعبان میں روزہ رکھتے تھے جب کہ دوسری حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آپ اس کے اکثر ایام میں روزہ رکھتے تھے۔ اس ظاہری تعارض کے دفعیہ کے لیے علماء کرام نے متعدد جوابات دیے ہیں مثلاً بعض یہ کہتے ہیں کبھی تو آپ پورے مہینہ روزہ رکھتے تھے جس کا ذکر حدیث ام سلمہؓ میں ہے اور کبھی مہینہ کے زیادہ دنوں روزہ رکھتے تھے جس کا ذکر حدیث عائشہؓ میں ہے ایک اور جواب حضرت عبداللہ بن مبارک (المتوفی ۱۸۱ھ) سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے اکثر ایام میں روزہ رکھتے تھے لیکن حضرت امّ سلمہؓ نے اس کثرت کو مجازاً پورے ماہ میں روزہ رکھنے سے تعبیر فرما دیا اور فرماتے ہیں کہ اکثر "کُل" سے تعبیر کرنا کلام عرب میں بکثرت مستعمل ہے چنانچہ انہوں نے اس کی ایک دو نظیریں بھی پیش فرمائی ہیں ملاحظہ ہو ترمذی ج ۱ ص ۹۲۔

ایک اعتراض کا جواب :- باقی رہا یہ اعتراض کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شعبان اور رمضان دو ماہ مسلسل روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ بلکہ بعض احادیث میں تو شعبان کے نصف آخر میں روزہ رکھنے کی بھی ممانعت ہے تو احادیث سابقہ اور ان میں تطبیق کیسے ہوگی؟ اس کے بھی متعدد جوابات دیے گئے ہیں۔ چنانچہ امام ترمذیؒ (المتوفی ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم ممانعت والی حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ممانعت ایسے شخص کے لیے ہے جو پہلے سے روزہ نہ رکھتا ہو لیکن شعبان کے آخر میں خلافِ عادت رمضان کی تعظیم اور استقبال کے لیے روزہ رکھنا شروع کر دے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنے کی ممانعت درحقیقت کمزوروں کے لیے ہے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفل روزے رکھکر دل اکتا جائے اور فرضی روزوں میں کسی قسم کی کوتاہی ان سے واقع ہو جائے۔ بخلاف نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور کسی قوی عبادت گزار کے کیونکہ وہاں یہ خدشہ نہیں ہے اس لیے یہ ممانعت بھی ان کے لیے نہ ہوگی۔

شعبان کی وجہ تسمیہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں "حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شعبان کو شعبان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ رمضان کے لیے اس سے خیر کثیر پھوٹ (پھوٹ) کر نکلتی ہے۔ (الحدیث)

پھر فرماتے ہیں "شعبان کے پانچ حرف ہیں ۱۔ ش شرف کا ۲۔ ع عُلوٌّ کا ۳۔ ب بِرٌّ کا (بِر کے معنی ہیں احسان وبھلائی) ۴۔ ا الفت کا ۵۔ ن نُور کا۔ اس مہینہ میں یہ پانچوں عطیے اللہ کی طرف سے بندہ کے لیے ہوتے ہیں"

فضیلت شب براءۃ (۱) عن علی ابن ابی طالب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کانت لیلۃ النصف من شعبان فقوموا لیلھا وصوموا نھارھا فان اللہ ینزل فیھا لغروب الشمس الی سماء الدنیا فیقول الا من مستغفر فاغفر لہ الا مسترزق فارزقہ الا مبتلی فاعافیہ الا کذا الا کذا حتی یطلع الفجر۔

(ابن ماجہ)

حضرت علی بن ابی طالب (المتوفی ۴۰ھ) فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب نصف شعبان کی رات ہو تو رات کو قیام کرو اور دن کو روزہ رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس رات میں غروب شمس کے وقت سماء دنیا پر تجلی فرماتے ہیں پس فرماتے ہیں کیا کوئی طالب بخشش ہے؟ کہ میں اسکو بخش دوں۔ کیا کوئی طالب رزق ہے کہ میں اسے رزق دوں کیا کوئی مصیبت زدہ ہے کہ میں اسکی مصیبت دور کردوں یا کیا کوئی حاجت مند ہے کہ میں اسکی حاجت پوری کردوں۔ حتیٰ کہ صبح طلوع ہو جاتی ہے۔

ایک اور حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے حضورؐ کو نہ پایا تو میں

ان کی تلاش میں نکلی پس اچانک میں نے دیکھا کہ آپ بقیع (مدینہ منورہ کے قبرستان) میں ہیں (اور) آسمان کی طرف سر اٹھائے ہوئے ہیں۔ اس حدیث شریف کے آخر میں آتا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ان اللہ تعالیٰ ینزل لیلۃ النصف الی السماء الدنیا فیغفر لاکثر من عدد شعر غنم کلب یعنی اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات کو آسمان دنیا پر تجلی فرماتے ہیں۔ پس قبیلۂ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ انسانوں کی مغفرت فرماتے ہیں (ابنِ ماجہ) ایک اور حدیث میں حضرۃ ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات کو اپنی سب مخلوق کو بخشتا ہے۔ سوائے مشرک اور کینہ ور کے (ابنِ ماجہ)

اِن احادیث سے چند باتیں مفہوم ہوتی ہیں :-

(۱) اللہ تعالیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ پندرھویں شب کو سماءِ دنیا پر غروب شمس سے لے کر طلوعِ صبح صادق تک تجلی فرماتے ہیں۔

(۲) اس رات کو اللہ تعالیٰ ندا کرتے ہیں کہ کوئی طالب بخشش ہے؟ کہ میں اسے بخش دوں اور کیا کوئی طالب رزق ہے کہ میں اسے رزق دوں یا کوئی حاجت مند ہے کہ اس کی حاجت پوری کر دوں

(۳) قیام لیل کیا جائے یعنی اس رات کو عبادت سے معمور کیا جائے اور صبح کو (۱۵ شعبان کو) روزہ رکھا جائے۔

(۴) اللہ تعالیٰ اس رات قبیلۂ کلب (جسکی بکریاں تمام قبائل سے زیادہ ہوتی تھیں) کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ انسانوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔

(۵) اس رات قبرستان جانا مسنون ہے۔ مگر اس طرح کہ اعلان اور تداعی نہ ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا اعلان اور بغیر تداعی کے تشریف لے گئے تھے حتیٰ کہ گھر والوں کو بھی اسکی اطلاع نہیں دی۔

مضمونِ سابقہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شب برأت نہایت ہی مبارک رات ہے اس رات اللہ تعالیٰ کی رحمت کثرت سے بندوں پر نازل ہوتی اور بڑی کثرت سے گناہگاروں کی مغفرت ہوتی ہے

صلوٰۃ الخیر حجۃ الاسلام امام غزالیؒ (المتوفی ۵۰۵) اپنی کتاب احیاء العلوم ص ۲۰۹ ج ۱ میں تحریر فرماتے ہیں

بہرحال شعبان کی نماز تو وہ یہ ہے کہ شعبان کی پندرھویں رات کو دو دو رکعتیں کرکے سو رکعتیں پڑھے ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد گیارہ بار قل ھو اللہ پڑھے۔ یا دس رکعتیں پڑھے ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سو بار قل ھو اللہ پڑھے۔ دیگر نمازوں کی طرح یہ نماز بھی مروی ہے۔ سلف یہ نماز پڑھا کرتے تھے اور اس کا نام صلوٰۃ الخیر رکھتے تھے۔

اس نماز کا ذکر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بھی فرمایا ہے۔ البتہ انہوں نے دس رکعت پڑھنے والی صورت بیان نہیں فرمائی۔ بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ سو رکعتیں پڑھے اور ہر رکعت میں دس بار قل ھو اللہ پڑھے۔ (غنیۃ الطالبین)

لیکن امام غزالیؒ نے یہاں ہر رکعت میں گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھنے کا ذکر فرمایا ہے۔ شاید کہ یہ سہو کاتب ہو کیونکہ لیالی فاضلہ کے بیان میں انہوں نے سورۂ اخلاص دس ہی بار پڑھنے کا ذکر فرمایا ہے یا ممکن ہے کہ دونوں صورتیں مروی ہوں۔ واللہ اعلم لیکن یہ خیال رہے کہ یہ نماز جماعت سے نہ پڑھی جائے کیونکہ فقہاء نے اس نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو مکروہ لکھا ہے چنانچہ درمختار میں ہے: ویکرہ الاقتداء فی صلوٰۃ رغائب وبراءۃ وقدر۔ صلوٰۃ الخیر غائب اور شبِ براۃ اور شب قدر کی نمازوں میں کسی کی اقتداء کرنی (جماعت سے ادا کرنا) مکروہ ہے۔ مولانا رشید احمدؒ گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ فقہاء جب مطلقاً مکروہ کہیں تو اس سے مراد تحریم ہوتی ہے (القطوف الدانیہ) شیخ ابراہیم حلبیؒ (المتوفی ۹۵۶ھ) نے اس نماز کی باجماعت ادائیگی کو بدعت مکروہہ لکھا ہے ملاحظہ ہو: غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی۔

تنبیہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے امور دینیہ کو لہو ولعب میں تبدیل کرنے اور انہیں کھیل تماشا بنا لینے اور اور اسی طرح اسراف وفضول خرچی کرنے پر سخت ترین وعید فرمائی "اور بے جا خرچ نہ کر یقیناً بے جا کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے،، (بنی اسرائیل ع)

جب آپ کو یہ معلوم ہے کہ چراغاں کرنے اور آتش بازی وغیرہ رسموں کا کوئی ذکر اسلام میں نہیں

باقی صفحہ ۵۲ پر ملاحظہ فرمائیں

محترم الحاج سید امین گیلانی

غزل

چمن میں آئے گی فصلِ بہاراں، تم سمجھتے ہو؟ مگر جب دینگے ہم خونِ رگِ جاں تم سمجھتے ہو؟

یہ کہہ کر ایسے دیوانوں کی آزادی سے خطرہ ہے کیا ہے کس نے مجھ کو پا بہ جولاں تم سمجھتے ہو

خدا کا نام لے کر جب بھی نکلے کامراں لوٹے جنہیں بے بال و پر، بے ساز و ساماں تم سمجھتے ہو

میری حالت پہ پھر بھی ہنس رہے ہو دیکھنے والو دریدہ کیوں ہیں، دامان و گریباں تم سمجھتے ہو

کوئی درویشِ خرقہ پوش اٹھے گا ضرور اِک دن جو توڑے گا غرورِ کجکلاہاں تم سمجھتے ہو

یہ دانشمند ہیں جتنے بھی، سازش کر کے دیوانو کریں گے بستیاں، برباد و ویراں تم سمجھتے ہو

ہمیں دنیا نے جو بدلہ دیا ہے، ہم سمجھتے ہیں کیے ہیں ہم نے جو دنیا پہ احساں تم سمجھتے ہو

وہی لالچ کے بندے گلفروشی جنکی عادت ہے چمن میں پھر رہے ہیں گل بداماں تم سمجھتے ہو

مصیبت میں بھی انساں کی، جو کام آتا نہیں انساں مجھے حیرت ہے اس انساں کو انساں تم سمجھتے ہو

بہت افسردگی چھا جائیگی پھولوں پہ اے مالی اگر بدلا نہ دستورِ گلستاں تم سمجھتے ہو

غمِ جاناں کے آگے کوئی حیثیت نہیں رکھتا غمِ دنیا ہو، یا ہو وہ غمِ جاں تم سمجھتے ہو

امینؔ اب جاں ہی دے کر بچے گی آبرو اپنی
اسی صورت، یہ مشکل ہو گی آساں تم سمجھتے ہو

اشرف

دَورِ حاضِر کے
سیاسی اور اقتصادی مَسائِل
اور
اِسلامی تعلیمات و اشارات

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا سیّد مُحمّد میاں دامت برکاتہم

قانون یا تقسیم فرائض اور تعلیم و تربیت

ملک میں غذائی بحران ہے۔ غلّہ کی کمی ہے۔ قیمتیں دن بدن بڑھ رہی ہیں۔ چند خاندانوں کے علاوہ پُورا ملک فاقہ میں مبتلا ہے۔ بُھوک سے نڈھال ہے۔ ساتھ ہی ملک کی سرحدوں پر دشمن منڈلا رہا ہے۔ حکومت کو روپیہ کی ضرورت ہے۔ وہ ایک ٹیکس لگاتی ہے۔ یہ ٹیکس خود اپنی ہی ضرورت ہے۔ کیونکہ معاملہ اپنا، اپنی قوم اور اپنے ملک کا ہے۔ مگر لوگ اس ٹیکس کو ظلم اور جابرانہ تاوان سمجھتے ہیں۔ جس طرح ممکن ہوتا ہے وہ اس ٹیکس سے بچنا چاہتے ہیں اور اسی کو اپنا کمال سمجھتے ہیں کہ کسی بہانہ سے اپنی رقم بچا لیں اور ٹیکس وصول کرنے والوں کی آنکھ میں دھول جھونک دیں۔ موقع تاہے تو نوجوانوں کو کسی طرح مشتعل کر کے ان سے تخریبی کارروائیاں کرا لیتے ہیں۔ جن سے ملک تباہ ہوتا ہے رات دن کے ہنگامے فاقہ مست قوم کو اطمینان اور امن سے بھی محروم کر دیتے ہیں۔ فائدہ صرف یہ ہوتا ہے کہ ٹیکس ادا کرنے والے دولتمند طبقہ کے جذبۂ انتقام کو کچھ سکون مل جاتا ہے۔

ٹیکس وصول کرنے کے لیے حکومت کو عملہ رکھنا پڑتا ہے۔ ایمرجنسی قانون بنانا پڑتا ہے۔ اس کو نافذ کرنے کے لیے پولیس زائد پولیس اور کبھی فوج کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض اوقات فوجی

اور دیوانی مقدمات کے بے پناہ مصارف بھی برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ یعنی وصول کردہ ٹیکس کا بڑا حصہ وصول کرنے میں خرچ ہو جاتا ہے۔ اگر غذائی بحران یا کسی دشمن کا خطرہ نہ ہو اور پرسکون حالات میں حکومت کوئی قانون اس لیے منظور کرے کہ عوام کی غربت دور ہو اور اس کی پست سطح بلند ہو اور اس مقصد کے لیے وہ کوئی ٹیکس لگائے یا ٹیکسوں میں اضافہ کرے تو ٹیکس ادا کرنے والے اسکو ظلمِ عظیم سمجھیں گے۔ اور ممکن ہوگا تو بغاوت کر بیٹھیں گے۔ اور اتنی بغاوت تو وہ اپنا قانونی حق سمجھیں گے کہ انتخاب کے موقع پر اس جماعت کو ووٹ نہ دیں۔ جو اقتصادی مساوات (اور موجودہ اصطلاحات کی زبان میں سوشلزم) کی بنیاد ڈال رہی ہے۔

ایک سمجھ دار تعلیم یافتہ انسانی ہمدردی کا دعویٰ کرنے والا طبقہ ان ٹیکسوں کو ظلم اور جبری تاوان کیوں سمجھتا ہے اور ملک کے امن کو تباہ کرنے پر کیوں آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ ہم قانون کے ذریعہ انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں جس انقلاب کا مدار صرف قانون پر ہوگا وہ لامحالہ جبر و قہر ہوگا۔ وہ حکم اور تعمیل حکم کا ایک سلسلہ ہوگا جس کے ہر قدم پر اشک آور گیس، گن مشین گن اور ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کی ضرورت ہوگی۔

کوئی قوم اس طرح کے انقلاب پر فخر نہیں کر سکتی۔ قابل قدر وہ انقلاب ہے جو خود قوم کے اندر پیدا ہو۔ یعنی جذبات بدلیں۔ تصورات میں تبدیلی ہو۔ انسانی ہمدردی کا نعرہ صرف فیشن نہ رہے بلکہ زندہ اور بیدار دلوں کا جذبہ بن جائے۔ اس حقیقی اور اصطلاحی انقلاب کے لیے سب سے پہلے تعلیم اور ذہنی تربیت کی ضرورت ہے یعنی پہلے فرائض متعین کیے جائیں۔ پھر ان فرائض کی اہمیت اس طرح ذہن نشین کرائی جائے کہ جذبات ہم آہنگِ فرائض ہو جائیں یعنی فریضہ محض ڈیوٹی اور جبراً قہراً تعمیل حکم نہ رہے بلکہ قلب مضطرب کا مطالبہ بن جائے۔

قرآن حکیم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جذبات میں انقلاب برپا کرتا ہے۔ وہ حکومت کو خطاب نہیں کرتا بلکہ عوام کو مخاطب بناتا ہے۔ پہلے ان کے فرائض معین کرتا ہے پھر ان فرائض

کا احساس دلاتا ہے۔ اور قانون سازی کے بجائے ذہن کی ساخت درست کرتا ہے کہ فرائض بار خاطر نہ رہیں بلکہ تقاضائے خاطر اور دلی جذبہ بن جائیں۔ قرآنی تعلیمات کی پرداخت یہ ہے کہ یہ قانون نہیں بلکہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ تمام انسان مساوی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اے انسانو! ہم نے تم کو پیدا کیا ایک مرد اور عورت سے اور تمہارے قبیلے اور خاندان اس لیے کر دیے ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ (خاندان اور نسل عزت کی بنیاد نہیں ہے) اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی عزت سب سے زیادہ ہے۔ جو اعلیٰ اخلاق و کردار اور خدا ترسی (تقویٰ) میں سب سے زیادہ ہو۔

(سورۂ حجرات، آیت: ۱۳)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

کسی قوم کے لیے درست نہیں کہ وہ کسی دوسری قوم کا مذاق بنائے۔ اس کو حقیر سمجھے۔ بہت ممکن ہے جس کو حقیر سمجھ رہے ہو وہ تم سے بہتر ہو۔

(حجرات، آیت ۱۱)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے کہ:

(۱) تمام انسان کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں: الناس کاشنان المشط۔

(شفاء قاضی عیاض)

(۲) غریبوں کا پیٹ بھرنا۔ ان کی فاقہ مستی دور کرنا۔ قانون نہیں بلکہ خود تمہارا شخصی اور ذاتی فرض ہے۔ قیامت کے دن جب ایک گروہ کو دوزخ کی طرف دھکیلا جائے گا۔ اور ان سے دریافت کیا جائے گا کہ تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا تو وہ کہیں گے کہ ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔

(سورۂ مدثر آیت ۴۲-۴۳-۴۴)

سونے چاندی کی سلاخیں جو تم نے تجوریوں میں بند کر کے رکھ رکھی ہیں اگر ان کو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے تو یہ سلاخیں دوزخ میں تپائی جائیں گی۔ پھر ان سے

ان جوڑنے والوں کی پیشانیاں اور کروٹیں اور کمریں داغی جائیں گی۔ کہ یہ ہے وہ جس کو تم اپنے لیے کنز بنا کر رکھا کرتے تھے۔ اب چکھو اپنے کنز کو۔ جس کو تم جوڑا کرتے تھے۔

(سورۂ توبہ، آیت: ۳۴، ۳۵)

تم خود مستحق لعنت ہو اور خدا کی رحمت سے دور ہو۔ اگر بھاؤ بڑھانے کے لیے کسی جنس کو روک رکھو اور بازار میں نہ لاؤ ـــــ المحتکر ملعون ـــــ (حدیث)

(۳) صحیح تعلیم و تربیت کے بغیر تمہاری اولاد دوزخ کا کندہ ہوگی۔ لہٰذا خود تمہارا فرض ہے کہ اپنی اولاد کو دوزخ سے بچاؤ۔ اس کو زیور علم سے آراستہ کرو۔ اس کی تربیت کرو اور سدھاؤ۔ عمل کا خوگر بناؤ۔ اس فرض کو خود انجام دو۔ تم خود انجام نہیں دے سکتے تو دوسروں سے اس فرض کو انجام دلواؤ۔ اس کا نظام قائم کرو۔ قوا انفسکم واھلیکم نارا۔ (سورہ تحریم، آیت: ۶) وحدیث "الا کلکم راع" وغیر ذالک

(۴) جس طرح نماز و روزہ فرض ہے ایسا ہی جہاد بھی فرض ہے جو مال سے بھی ہوتا ہے اور جان سے بھی۔ جو اسلام و ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اس کی بیداری یہ ہے کہ مسلسل جہاد کرتا رہے۔ صاحبِ مال جہاد بالمال بھی کریگا۔ یہ اس کا اپنا فرض ہے کہ اتنا خرچ وہ خود کرے کہ دفاع کی ضرورتیں پوری ہوں اور ملک کو دفاعی استحکام حاصل ہو۔ جَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ (سورہ توبہ) وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ (سورہ انفال)

یہ قوم کی بے حسی ہوگی کہ قانون کے ذریعہ اس کو جہاد بالمال یا جہاد بالنفس پر آمادہ کیا جائے۔

(۵) اسلام سیاسی اور مالی فرائض و واجبات کے سلسلہ میں اخلاقی نقطۂ نظر سامنے رکھتا ہے۔ حقیقی جہاد یہ ہے کہ انسان اعلیٰ نصب العین کے لیے اپنی خواہشات کو قربان کرے۔ اسی قربانی کی آخری منزل یہ ہے کہ اپنی جان بھی قربان کر دے۔

مالی فرائض کی بنیاد یہ ہے کہ بخل، خود غرضی، حرص و طمع جیسی بری خصلتوں سے نفسِ مومن پاک ہو۔

یہ نفس کی خباثت ہے کہ دولت و ثروت کی محبّت قومی اور ملی ضرورتوں سے آنکھ بند کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ مالی فرائض کو اسلام نے زکوٰۃ کا عنوان دیا ہے۔ زکوٰۃ کے معنٰی ہیں "پاکی" آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حضرت حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

(اے پیغمبرؐ!) ان لوگوں کے مال سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کرو کہ (بخل اور طمع کی برائیوں سے) پاک کرو۔ اور ان کا تزکیہ کرو۔ (ان کو سدھاؤ اور ان کی تربیت کرو۔ کہ وہ ہمدردیٔ خلقِ خدا، سیر چشمی، سخاوت اور امداد باہمی وغیرہ کے وہ عادی ہو جائیں اور یہ باتیں ان کی طبیعت ثانیہ بن جائیں۔) اور ان کے لیے دعائے خیر کرو۔ بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے آسودگی ہے۔ جس سے ان کے دلوں کو سکون ملتا ہے۔ (راحت پہنچتی ہے)۔

(سورۂ توبہ، آیت: ۱۰۲)

مختصر یہ کہ تمام فرائض جو حکومت کے فرائض سمجھے جاتے ہیں ان کو اہل ایمان کی شخصی اور ذاتی فرائض قرار دیا ہے۔ اسلامی تعلیم کے بموجب اگر ان فرائض کا احساس ہوگا تو اس کا مُبارک نتیجہ یہ ہوگا کہ حکومت کوئی چیرہ دست طاقت نہ ہوگی۔ جو قانون کے ذریعہ اپنی چیرہ دستی کا مظاہرہ کرے۔ بلکہ حکومت ذریعۂ تعاون ہوگی۔ نظام حکومت امداد باہمی کا ایک رابطہ ہوگا۔ جس میں ہر فریق دوسرے کا مددگار، دُعا گو اور احسان مند ہوگا۔ قوم اپنے سربراہ اور اس کے عمّال کی احسانمند اور شکر گزار اس لیے ہوگی کہ ان کے ذریعہ سے اس کے ذاتی فرائض صحیح طور پر بحسن و خوبی انجام پا رہے ہیں۔ سربراہ اور اس کے کارپرداز قوم کے شکر گزار اس لیے ہوں گے کہ قوم کے تعاون نے ان کی ذمّہ داری کی مشکلات کو آسان کر دیا ہے۔ آیاتِ مذکورہ بالا کا ایک اشارہ اس طرف بھی ہے کہ تزکیہ اور اطمینان و سکون کی یہ رُوح جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مُبارک و مسعود میں کارفرما ہے۔ قومی کارکنوں، ذمہ داروں اور قوم کے افراد میں اسی طرح کارفرما ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل اور آپ کا کردار ایک نمونہ اور مقدس سانچہ ہے۔ پوری اُمّت اور اُمّت کے ہر ایک طبقہ اور ہر ایک فرد کو اسی سانچے میں ڈھلنا چاہیے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ ذیل ارشاد گرامی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے:

خیار ائمتکم الذین تحبونہم ویحبونکم وتصلون علیکم۔ وشرار ائمتکم الذین تبغضونہم ویبغضونکم وتلعنونہم ویلعنونکم۔

تمہارے بہترین سربراہ وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرو۔ وہ تم سے محبت کریں۔ تم ان کو دُعائیں دو وہ تم کو دُعائیں دیں اور بدترین سربراہ وہ ہیں کہ تم ان سے بغض رکھو وہ تم سے بغض رکھیں۔ تم ان پر لعنت بھیجو۔ وہ تم پر لعنت بھیجیں۔

مختصر یہ کہ قرآن حکیم کا اسلوب یہ ہدایت کرتا ہے کہ کسی منصوبہ کے شروع کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ذہنوں کو اس درجہ ہموار کر لیا جائے کہ لوگ اس فرض کو خود اپنا فرض سمجھیں۔ اس بات کا پورا پورا احساس بلکہ جذبہ یہ ہو کہ یہ کام خود ہمارا کام اور ہمارا فرض ہے۔ جس کو خود ہمیں بلا کسی امداد کے کرنا چاہیے۔ جب عوام کا یہ احساس اور یہ جذبہ ہو جائے گا تو وہ حکومت کے تعاون کی قدر کریں گے۔ اور حکومت بھی اس کام کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بہت معمولی خرچ سے بہت تھوڑی مدت میں انجام دے سکے گی۔

خرچ کس لیے

ہم اپنے آپ کو بہت اونچا سمجھتے ہیں اگر ہم اپنی کسی غرض کے لیے نہیں بلکہ صرف انسانی ہمدردی کے لیے کام کریں۔ لیکن نوع انسانی بہت سے خانوں میں بٹی ہوئی ہے۔ کہیں ذات برادری کے خانے ہیں۔ کہیں رنگ و نسل کی دیواریں کھڑی ہوئی ہیں۔ ہمارا قدم ان دیواروں کو پھاند کر آگے بڑھتا ہے تو کہیں پہاڑوں کے جغرافیائی حصار اسکو روک دیتے ہیں کہیں سمندروں کے طوفان اور کہیں دریاؤں کی موجیں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ ہم ان کو قدرتی حدود سمجھتے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمدردی نوع انسان کے اچھلنے کودنے والے جذباتِ وطنیت اور قومیت کی زنجیروں میں جکڑ بند ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح خدا پرستی کے نام پر نہ سہی قوم پرستی کے نام پر ہر قوم کا شوالا الگ بن جاتا ہے۔ اور جس مقابلہ اور جنگ و جدال کے لیے مذہب بدنام ہے۔ وہ قومیت اور نیشنلزم کے نام پر شروع ہو جاتا ہے اور وہ خون خرابہ ہوتا ہے جس سے ماضی اور خصوصاً

ترقی کے دعویدار "رحال" کی تاریخ کا ہر ایک ورق رنگین بلکہ ملوّث اور متعفن ہے (معاذ اللہ) اسلام قومیت کے نام پر کسی برتری کو گوارا نہیں کرتا۔ انتہا یہ کہ وہ ایسے لوگوں کو آخرت کی فلاح اور کامیابی سے محروم قرار دیتا ہے جن کی جدوجہد کا نصب العین اپنی قوم کو برتر بنانے تک محدود رہے۔ قرآن کا اعلان ہے: تلك الدار الآخرة — الآیۃ (سورہ قصص، آیت ۸۳)

"یہ پچھلا گھر۔ عالم آخرت) ہم ان کے لیے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا"

قرآن کریم کی ہدایت ہے:

کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ بنائے۔ بہت ممکن ہے جس کا مذاق بنا رہے ہو وہ تم سے بہتر ہو۔ (سورۂ حجرات) ——— نیز ارشاد ہے:

یہ ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ کسی قوم کا بغض تمہیں اس بات پر آمادہ کردے کہ تم عدل و انصاف کے راستہ سے ہٹ جاؤ۔ (ہر حال میں عدل کرو) انصاف سے کام لو

(سورۂ مائدہ، آیت: ۸)

پس اسلام اس کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ آپ کی جدوجہد اور آپ کا خرچ لوجہ القوم ہو۔ آفاقیت کے دائرہ کو سب سے زیادہ وسیع مانا جاتا ہے۔ مگر اسلام اس وسیع دائرہ میں بھی وسعت پیدا کرتا ہے اور ہمدردی کو صرف نوع انسانی تک محدود نہیں رکھتا۔ اس کے نزدیک ہر ایک جاندار ہمدردی کا اتنا ہی مستحق ہے جتنا کوئی ہمرنگ و ہم نسل انسان مستحق ہے۔

جبکہ اس کی ہمدردی اور خدمت کا دائرہ اتنا وسیع ہے تو وہ اس کی اجازت نہیں دے سکتا کہ خرچ کرنے کا نصب العین ہمدردی نوعِ انسانی سے آگے نہ بڑھے۔ فی سبیل اللہ کو سب سے وسیع دائرہ اور سب سے اونچی سطح قرار دیتا ہے۔ نہ صرف انفاق اور جود و عطا بلکہ ہر ایک فعل خود غرضی سے پاک ہونا چاہیے۔ اگر اپنا کوئی مفاد سامنے ہے تو ایک طرح کی خود پرستی ہے۔

خود پرستی، قوم پرستی یا وطن پرستی سے بالاتر خدا پرستی ہے۔ لہٰذا ہر ایک جدوجہد اور ہر ایک

سعی وعمل کا نصب العین خدا پرستی ہونا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ خالقِ کائنات ہے اور ارحم الراحمین ہے۔ وہ کسی خاص گروہ یا طبقہ کا نہیں بلکہ پوری کائنات کا پروردگار ہے۔ وہ رب العلمین ہے۔ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے یہ معنی ہیں کہ آپ کا عمل اس کی تمام مخلوق کے لیے ہو۔ اس کی افادیت کسی خاص طبقہ تک محدود نہ رہے بلکہ رب العالمین کے ہر ایک پیدا کردہ اور ہر ایک پروردہ کے لیے عام ہو۔

اسلام اسی وسعت نظری کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اس کو ضروری گردانتا ہے۔ اس کے علاوہ تقاضائے توحید بھی یہی ہے کہ علم بردار توحید کا ہر ایک عمل اور فعل اس ذاتِ واحد کے لیے ہو جس کا یہ ہے اور جس کا ہو گیا۔ ان صلاتی ونسکی ـــــ الآیۃ۔ (سورۃ انعام)

میری نماز۔ میری قربانیاں، میرا جینا و میرا مرنا سب اللہ رب العلمین کے لیے ہے۔

خدا پرست حکومت کو جو ٹیکس ادا کریں اس کا نصب العین بھی لوجہ اللہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ ان ٹیکسو کو قرآن حکیم نے صدقہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ (سورہ توبہ، آیت: ۶۰ و آیت: ۱۰۳ وغیرہ)

شخصی حکومت، ملوکیت اور جمہوریت

شخصی حکومت اور ملوکیت میں فرق کرنا ہوگا اور یہ بات بھی قابلِ تسلیم نہیں ہے کہ جمہوریت ہر حال میں شخصی حکومت سے بہتر ہے۔

نظامِ حکومت کی کامیابی یہ ہے کہ ملک خوشحال، ترقی پذیر اور سماج و معاشرہ پرامن و مطمئن ہو اگر جمہوریت اس مقصد کو پورا نہیں کرتی تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ صرف الفاظ کی مالا جپی جائے اور خلقِ خدا کو مصیبت میں ڈالا جائے۔ اگر ایک حکمران مسلّمہ دستور اور مجلس شوریٰ کے فیصلوں کا اتنا پابند ہے جیسا کسی جمہوریت کا وزیر اعظم پارلیمنٹ کے فیصلوں کا پابند ہوتا ہے تو اس کی بادشاہت اسی حد تک قابلِ مذمت رہ جاتی ہے کہ اس نے ملک کو وراثت قرار دے رکھا ہے۔ اس کی ملوکیت کو فرعونیت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

اسلام اس درجہ کی ملوکیت کو بھی پسند نہیں کرتا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی "ملک عضوض" (کاٹ کھانے والی حکومت) فرمایا ہے۔ لیکن اگر قوم حسنِ انتخاب کی صلاحیت سے محروم ہے،

تو اسلام ایسے بادشاہ کے خلاف بغاوت کا حکم بھی نہیں دیتا۔

اس تاریخی حقیقت کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام جس طرح ملوکیت کی ہر ایک قسم سے بیزار ہے۔ مسلمانوں کے عمل نے بادشاہت سے بیزاری کا ثبوت نہیں دیا۔ مگر اس کا سبب ارباب حل وعقد اور رہنمایان ملّت کی بزدلی، بے حسی یا موقع پرستی نہیں بلکہ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ ابتداء کے چند خلفاء کے بعد ایسا دور کبھی نہیں آیا کہ قرآنی اصول یعنی بہتر اخلاق و کردار (تقویٰ) کے معیار پر انتخاب کیا جاتا۔ دوسری طرف مسلمان بادشاہوں کی غالب اکثریت وہ رہی ہے جو مطلق العنانی کے باوجود قانون کی پابند رہی۔ فوجی امور میں بیشک وہ آزاد رہا کرتے تھے مگر عدالت میں بادشاہ اور عام باشندۂ ملک کی حیثیت یکساں ہوتی تھی۔

جماعت اور پارٹی کے مینو فسٹو کی بنیاد پر انتخاب بیشک یورپ کی ایجاد ہے۔ مگر ایک دو ملک کو چھوڑ کر پوری دنیا کے تمام ممالک کا تجربہ یہ ہے کہ مینو فسٹو کا خواب شیریں (سُنہرا سپنا) شاذ و نادر ہی شرمندۂ تعبیر ہوتا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ اِلکشنی وعدہ اور دھوکہ دہی کو ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔ یہ بات فراموش نہ ہونی چاہیے کہ ایک پارلیمنٹ یا کیبنٹ فرعون نے بھی بنا رکھی تھی۔ (قرآن حکیم نے اس کو لفظ "ملا" سے تعبیر کیا ہے۔) "والملاء جماعۃ یجتمعون علیٰ رای" (المفردات)

مگر بدقسمتی یہ تھی کہ اس ملا (پارلیمنٹ یا کیبنٹ) کا مذہب فرعون پرستی تھا۔ اسی پارلیمنٹ نے فرعون کو مشتعل کرنے کے لیے کہا تھا:

"کیا آپ موسیٰ (علیہ السلام) اور اس کی قوم کو چھوڑ دیں گے کہ ملک میں بدامنی پھیلائیں اور آپ کو اور آپ کے معبودوں (دیوتاؤں) کو ترک کر دیں۔"

جس کا جواب فرعون نے دیا تھا:

"ہم ان کے لڑکوں کو تکّا بوٹی کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے (کہ ہماری باندیاں بن کر رہیں۔) ہمیں ان کے اوپر پورا قابو ہے۔"

اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

"خدا سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو۔ بلاشبہ ملک اللہ کا ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ (وہ تم کو بھی وارثِ ارض بنا سکتا ہے) انجام کار انہیں کے لیے ہوگا جو متقی ہوں گے۔ (اعراف: ۱۲۵ تا ۱۲۸)

مطلب یہ ہے کہ اگر پارلیمنٹ یا اس کی اکثریت کا مزاج فسطائی ہو تو یہ جمہوریت بھی فرعونیت ہے

مسلمان بادشاہ کا کردار

ہم نہ بادشاہت کے حامی ہیں نہ بادشاہوں کے مدح خواں۔ مگر جب مقطع میں بات آگئی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظاہر کر دیں کہ مسلمان بادشاہوں کو کس بات کی تلقین کی جاتی تھی۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ جو بادشاہ کامیاب مانے گئے ہیں وہ اس تلقین پر عمل بھی کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اگرچہ خلفاء عباسیہ کی نظر میں معتوب رہے۔ لیکن تقریباً نصف صدی تک انقلابی خلفشار کے بعد جب طالع اور اقبال نے زمام اقتدار خلفاءِ عباسیہ ہی کے حوالہ کر دی اور یہ واضح ہوگیا کہ اب انقلاب کی کوشش کرنا سراسر فساد فی الارض ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بلند پایہ شاگرد امام ابو یوسف نے منصبِ قضا قبول کر لیا۔ پھر خلیفۃ المسلمین ہارون الرشید کی فرمائش پر نظامِ مالی کا وہ دستور اساسی مرتب کیا جو کتاب الخراج کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب میں تمہید کے سولہ صفحات ہیں۔ ان میں احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال صحابہ و تابعین سے اخذ کر کے وہ اصول اور نصیحتیں درج کی ہیں جو مملکت کے سربراہ کے لیے ضروری ہیں۔ ان کے چند اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں۔

جس عمارت کی بنیاد تقویٰ پر نہ ہو وہ سربلند نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ اس کو جڑ سے اُکھاڑ ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو قیادت آپ کو عطا فرمائی ہے ہرگز ایسا نہ ہو کہ آپ اُسے برباد کر ڈالیں۔

آج کے کام کو کل پر مت رکھو۔ آرزوئیں بہت ہوتی ہیں مگر فرشتۂ موت ان سے پہلے آپہنچتا ہے۔ موت سے پہلے عمل کر لو۔ موت کے بعد کوئی عمل نہیں ہو سکتا۔ آپ ٹیڑھے نہ چلیں۔ پھر رعیت بھی ٹیڑھی راہ اختیار کر لے گی۔ اس کا بار آپ پر ہوگا۔

آخرت کے کام کو دنیا کے کام پر مقدم رکھو۔ آخرت سدا رہنے والی ہے۔ دنیا ختم ہو رہی ہے۔ تمام انسانوں کو حکم خداوندی کے بارے میں ایک سطح پر رکھو۔ وہ اجنبی ہوں یا رشتہ دار۔ خدا کے معاملہ میں کسی کی ملامت کا خوف ہرگز مت کرو۔ تقویٰ اور پرہیزگاری دل سے ہوتی ہے، زبان سے نہیں۔ دل میں خدا کا خوف پیدا کرو۔ دنیا کی زندگی خواہ کتنی ہی طویل ہو مگر جب میدانِ حشر میں خدا کے سامنے کھڑا ہونا ہوگا تو ایسا معلوم ہوگا کہ دنیا میں صرف ایک صبح اور ایک شام قیام ہوا تھا۔

قیامت کے روز بارگاہِ خداوندی میں پہلے چار چیزوں کا حساب دینا ہوگا۔ اس کے بعد بندہ عدالت کے کٹہرے سے نکل سکیگا۔

(۱) جو مال تمہارے پاس تھا وہ کہاں سے حاصل کیا تھا اور کس کام میں صرف کیا۔

(۲) جو تم جانتے تھے اس پر کیا عمل کیا۔

(۳) جو عمر ملی تھی وہ کن باتوں میں ختم کی۔

(۴) جو جسم تمہیں میسر تھا کن کاموں میں اس کو بوسیدہ کیا۔

قوم کے ذمہ داروں، اولی الامر کو اللہ تعالیٰ نور عطا فرماتا ہے۔ قوم اس نور سے فیضیاب ہوتی ہے۔ اس نور کی روشنی یہ ہے کہ اللہ کی مقرر کردہ حدبندیاں صحیح طور سے قائم رکھی جائیں۔ حقداروں کو ان کے حقوق پورے پورے ملیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں اور سنتوں کو جاری کیا جائے۔ یہ وہ خیر ہے جو ہمیشہ زندہ رہیگا۔ اس کو کبھی موت نہیں آئیگی۔ حاکم کا ظلم رعیت کو تباہ کر دیتا ہے۔ نااہل اور غیر معتمد لوگوں کو کام پر لگانے سے رعیت برباد ہو جاتی ہے۔ کامیابی یہ ہے کہ دن اور رات کا کوئی حصہ بھی ایسا نہ گزرے

جس میں زبان اللہ کے ذکر سے متحرک نہ ہو۔ تسبیح و تحلیل اور ورد و وظیفہ سے ہمیشہ زبان تر رہنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ محبوب چیز اصلاح ہے۔ اور سب سے مغضوب بات یہ ہے کہ انسان فساد پھیلائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ قیامت کے روز قریب تر اور محبوب ترا امام عادل ہوگا۔ اور سب سے زیادہ قابلِ نفرت اور سب سے مغضوب امام ظالم ہوگا۔

سیدنا حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب زخمی ہو کر زندگی سے مایوس ہو گئے تو آپ نے ہونیوالے خلیفہ کے لیے چند وصیتیں تحریر کرائی تھیں۔ ان میں یہ وصیت بھی تھی۔

(۱) "جن (جن غیر مسلموں) سے معاہدہ ہوا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کی پناہ میں ہیں۔ اس پناہ میں رخنہ نہ ڈالا جائے۔ جو معاہدہ ہوا ہے پوری احتیاط سے اس پر عمل کیا جائے۔ ان پر کوئی حملہ کرے تو ان کا دفاع ہمارا فرض ہے اور خود ان کو ان کی طاقت اور برداشت سے زیادہ کوئی تکلیف نہ دی جائے"۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک صاحب کو محصول وصول کرنے کے لیے مقرر کیا تو ان کو ہدایت فرمائی کہ محصول کے سلسلے میں سردی یا گرمی کا لباس فروخت نہ کرنا۔ اور ان کی گزر کا جو غلہ ہے اسے نہ فروخت کرنا۔ کھیتی کے لیے بھی مویشی کی ضرورت ہے وہ نہ فروخت کرنا۔ مار پیٹ یا کھڑا کرنے کی سزا نہ دینا۔ خانگی ضرورت کا سامان فروخت نہ کرنا۔ کیونکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ ضروریات سے جو فاضل ہو اس کو وصول کریں۔

یہ صاحب جن کو مقرر کیا تھا انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میں نرمی برتوں گا تو جیسے جا رہا ہوں ویسے ہی واپس آجاؤں گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ یہ صاحب گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہدایات کی پابندی کی۔ مگر جیسے گئے تھے ویسے ہی واپس آگئے۔

جب سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو حضرت علیؓ نے ان سے

فرمایا تھا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ اپنے پیشرو بزرگ (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تقرب حاصل کریں تو آپ کا کُرتا پیوند لگا ہونا چاہیے۔ تہبند اونچا رہے پنڈلی اور موزوں میں ٹکی لگی ہو۔ دنیا کی آرزو نہ ہو۔ اور پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤ۔

عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو راتوں کو رویا کرتے تھے کہ دور دراز گوشوں میں خدا کی مخلوق پھیلی ہوئی ہے جن کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ اور مجھے ان کی حالت کی خبر نہیں۔ خدا کو کیا جواب دوں گا۔ (بالاختصار یہ ہونا چاہیے مسلمان بادشاہ کا کردار۔)

بقیہ: شعبان کے فضائل

تو خدارا خیال فرمائیں کہ اگر ان بدعات اور دین کے کاموں کو لہو ولعب میں تبدیل کرنے اور کھیل تماشا بنا لینے کے باعث اور اس طرح اسراف وفضول خرچی (ایسی جگہ خرچ کرنا جہاں نہ دین کا فائدہ ہو اور نہ دنیا کا) کرنے پر رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا تعلق منقطع کر لیا تو ہمارا کیا ٹھکانا ہوگا؟۔ اتباعِ شیطان کی بنا پر ہمارا رشتہ کس سے ٹوٹا اور کس سے جُڑ گیا؟ ضروری ہے کہ ہر مسلمان خود بھی ان قبیح امور سے اجتناب کرے اور اپنے بچوں کو بھی آتشبازی اور دیگر فضول رسموں سے بچائے رکھے۔

وما علینا الا البلاغ۔

خلیق و دیانتدار عملہ
بہترین و بارعایت طباعت

المکرم پریس

۵۔ شارع فاطمہ جناح، لاہور

علوم و فنون کا عظیم مرکز
جامعہ مدنیہ لاہور

محترم الحاج محمود احمد عارف ہوشیارپوری
خازن جامعہ مدنیہ

یہ ایک واضح اور ناقابل انکار حقیقت ہے کہ دینی مدارس بقائے دین احیائے ملت اور اسلامی اقدار کے تحفظ و اشاعت کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ اسلام کے خلاف اٹھنے والے تمام فتنوں کی مدافعت و استیصال دینی مدارس ہی کرتے ہیں۔ ان ہی مدارس کے فضلاء کرام امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور اس مقدس فریضہ کی انجام دہی میں ہر طرح کی مشکلات خندہ پیشانی سے سہارتے ہیں۔ ان ہی کی بدولت آج تک دینِ اسلام اپنی صحیح شکل میں باقی ہے اور ان کے ہی دم قدم سے آج بھی لوگوں میں کسی نہ کسی درجہ میں قرآن و حدیث سے تعلق خوفِ خدا۔ اور اکابر و اسلاف کا احترام وغیرہ پایا جاتا ہے۔

اس وقت مملکت پاکستان میں مدارس کی کثرت کی وجہ سے بلندیٔ اخلاق، ایثار، عمل، قرآن و سنت سے محبت اور جذبۂ جہاد ان ممالک کی بہ نسبت کہیں زیادہ پایا جاتا ہے جن ممالک میں اسلامی مدارس کا یا تو سرے سے وجود ہی نہیں یا پھر صرف برائے نام ہے۔

جامعہ مدنیہ لاہور بھی ان مدارس میں سے ایک ہے جو دین حقہ کے تحفظ و اشاعت کی غرض سے معرضِ وجود میں آئے ہیں اس کا شمار ملک کے عظیم دینی اداروں میں ہوتا ہے اس کی ابتداء ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۵ء میں ہوئی تھی۔ گویا اس وقت جامعہ زندگی کی پندرہ بہاریں پوری کر کے سولھویں میں داخل ہو رہا ہے۔ اس دوران اسے کٹھن سے کٹھن اور مشکل سے مشکل مرحلے بھی پیش آئے اراکین و منتظمینِ جامعہ مختلف الجھنوں سے دوچار رہے مگر خدائے بزرگ و برتر کی نصرت و امداد ہر موقعہ پر شامل حال رہی اور جامعہ بڑی تیزی کے ساتھ شاہراہ ترقی پر گامزن رہا۔

اس مختصر سے عرصہ میں جامعہ نے سینکڑوں علما، اور کثیر تعداد میں حفاظ اور قرار تیار کئے۔ اس وقت بفضلہ تعالیٰ جامعہ کی اپنی مستقل خوبصورت اور شاندار عمارت ہے جو تیس رہائشی کمروں دارالحدیث، مطبخ، ٹیوب ویل و ٹینکی اور خوبصورت حوض پر مشتمل ہے دوسرے کمروں کی تعمیر بھی جاری ہے درس نظامی کا مکمل انتظام ہے ۱۴۳ افراد پر مشتمل عملہ مصروف کار ہے، اس سال (۱۳۹۱ھ) تقریباً پانچ سو طلبہ نے قابل ولائق اساتذہ کی زیر نگرانی مختلف شعبوں میں تعلیم حاصل کی۔ ان میں ایک سو ساٹھ طلبہ کے خورد و نوش، وظائف کپڑوں اور دیگر جملہ مصارف کا جامعہ کفیل رہا۔

جامعہ کے مہتمم اور بانی شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا الحاج حافظ سید حامد میاں صاحب مدظلہم ہیں جو ایک مقتدر عالم دین اور نہایت پارسا خوش خلق، فراخ حوصلہ اور مخلص و دیانت دار انسان ہیں بہترین اوصاف سے متصف ہونے کی بناء پر اکابر و مشائخ آپ سے بہت محبت رکھتے ہیں۔ ملک کے معروف بزرگ اور ولی کامل قطب زماں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ "جامعہ مدنیہ کے مہتمم مولانا حامد میاں کو میں اپنا چوتھا بیٹا سمجھتا ہوں"۔

اللہ پر توکل اور اعتماد آپ کی ایک نمایاں صفت ہے، آپ نے انتہائی بے سروسامانی اور عسر کی حالت میں محض اللہ کے بھروسہ پر جامعہ کی تاسیس فرمائی۔ تاسیس کے بعد آپ کو بہت سی مشکلات کا سامنا ہوا مگر ہر بار توکل علی اللہ کے جذبہ سے سرشار ہو کر ان مشکلات کا مقابلہ کیا اور کامیابی و کامرانی نے آپ کے قدم چومے۔

آج خدا کے فضل و کرم سے جامعہ علوم اسلامیہ کا بہت بڑا مرکز ہے اور ملک کے کسی بھی مدرسہ سے یہ فیض رسانی میں پیچھے نہیں ہے چند ہی سالوں میں اس نے تعلیمی و تعمیری دونوں لحاظ سے شاندار ترقی کی ہے۔ سنین ماضیہ اس پر شاہد ہیں کہ ہر آنے والا سال جامعہ کے لئے ترقی و خوشحالی کا سال ثابت ہوا ہے اور اس کے ہر شعبہ میں نمایاں طور پر ترقی ہوتی رہی ہے۔ تعلیمی لحاظ سے تو یہ بہت سے مدارس پر فوقیت رکھتا ہے جیسا کہ شیخ المحدثین والمفسرین حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ "الحمد للہ آپ کے مدرسہ میں فنون کے مدرس قابل لائق فائق ہیں، پاکستان میں فنون کی تعلیم کا آپ کا مدرسہ بے نظیر ہے"۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ علم و عرفان کے اس چشمہ کو ابدالآباد تک جاری و ساری رکھے اور مخلوقِ خدا اس سے مستفید ہوتی رہے۔ آمین۔

مجوّزہ منصُوبے

جامعہ کو مزید ترقی دینے کے پیشِ نظر درج ذیل منصوبے اراکین و منتظمین جامعہ کے زیرِ تجویز ہیں۔

دارالصنائع جامعہ میں ایسے دارالصنائع کی بہت ضرورت محسوس کی جا رہی ہے جس میں متعلمینِ جامعہ جلد سازی صابون سازی، خطاطی، خیاطی اور دیگر دستکاریاں سیکھ سکیں۔ تاکہ علماء معاش کے سلسلہ میں دوسروں کے دست نگر نہ رہیں۔

ڈسپنسری جامعہ میں ایک ایسی ڈسپنسری کا ہونا بھی لازمی اور انتہائی ضروری ہے جس سے بیمار طلبہ اور محلہ کے غریب لوگ مفت دوا حاصل کر سکیں۔

دارالمطالعہ طلباء و عملہ کے افراد کو اخبارات و رسائل کے مطالعہ کی سہولت کے پیشِ نظر جامعہ میں دارالمطالعہ بھی قائم کیا جائے گا اس کے لئے ایک وسیع کمرہ اور اخبارات و رسائل کی فراہمی کا انتظام ہوگا۔ دعاء ہے حق تعالےٰ ان تمام ضروری منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی جلد توفیق بخشے۔ آمین۔

اگر

آپ یہ چاہتے ہیں کہ علوم اسلامیہ کا یہ عظیم مرکز بیش از بیش علمی خدمات انجام دے تو آپ خود بھی اس نیک کام میں معاون بنیے۔ اور اپنے احباب و متعلقین کو بھی اس کارِ خیر میں حصہ لینے کی ترغیب دیجیے۔

معاونت کی مختلف صورتیں

ا: حسب حیثیت ماہانہ چندہ دینا۔

ب: زکوٰۃ۔ عشر اور صدقات وغیرہ جمع کرانا۔

ج: اناج۔ کپڑا۔ بستر وغیرہ سے امداد کرنا۔

د: تعمیر میں حصہ لینا

ہ: کتابیں مہیّا کرنا۔

و: نیز بعض حضرات کسی رشتہ دار وغیرہ کے ایصال ثواب کی غرض سے غریب طلبہ کو کھانا کھلانا پسند کرتے ہیں تو جامعہ میں اس کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ یا بیس روپے فی کس کے حساب سے آپ ایک طالب علم کا یا ایک سے زائد طلبہ کا اپنی طرف سے کھانا جاری رکھ سکتے

ہیں۔ تعاونوا علی البر و التقوٰی۔

بہت بہتر ہو کہ جامعہ کی امداد و اعانت کے لیے مختلف مقامات پر ایسے حلقے اور تنظیمیں قائم کر دی جائیں جو جامعہ کے لیے چندہ کی فراہمی کریں۔ اس طرح انشاء اللہ جامعہ کی تمام دشواریاں بہت جلد رفع ہو جائیں گی۔ امید ہے کہ خدمت دین کا جذبہ رکھنے والے حضرات اس کے لیے تیار ہو جائیں گے اور جامعہ سے رابطہ قائم فرمائیں گے۔ اس قسم کی ایک تنظیم کراچی شہر میں قائم ہے۔ لاہور شہر کے بعد جامعہ کو سب سے زیادہ امداد وہیں سے ملتی ہے۔ اس تنظیم کے صدر جناب حافظ الحاج سعید صاحب اور خازن حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب ہیں۔

اظہارِ تشکر

ہم ان تمام احباب و معاونین کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اس مادرِ علمی کی مالی یا اخلاقی معاونت فرمائی اور دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی مساعی و ایثار کا بہتر اجر عطا فرمائے اور ہم سب کو اپنے دین کی خدمت زیادہ سے زیادہ توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

"تبلیغی جماعت کا تاریخی جائزہ"

دُنیا کی سب سے بڑی تبلیغی جماعت پر

پروفیسر محمد ایوب قادری کی گراں قدر تالیف

پیش لفظ: مفتیٔ اعظم مولانا محمد شفیع، صدر دارالعلوم کراچی

تعارف: مولانا محمد اسحاق سندیلوی، سابق شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ

• کاغذ سفید • آفسیٹ طباعت • قیمت ۳ روپے

مکتبہ الخیر — مسجد نیلا گنبد لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۷۸۷۸

ماہنامہ **انوارِ مدینہ** لاہور

جامعہ مدنیّہ ○ کریم پارک ○ راوی روڈ ○ لاہور، پاکستان

جامعہ مدنیہ کے دو عمومی منظر

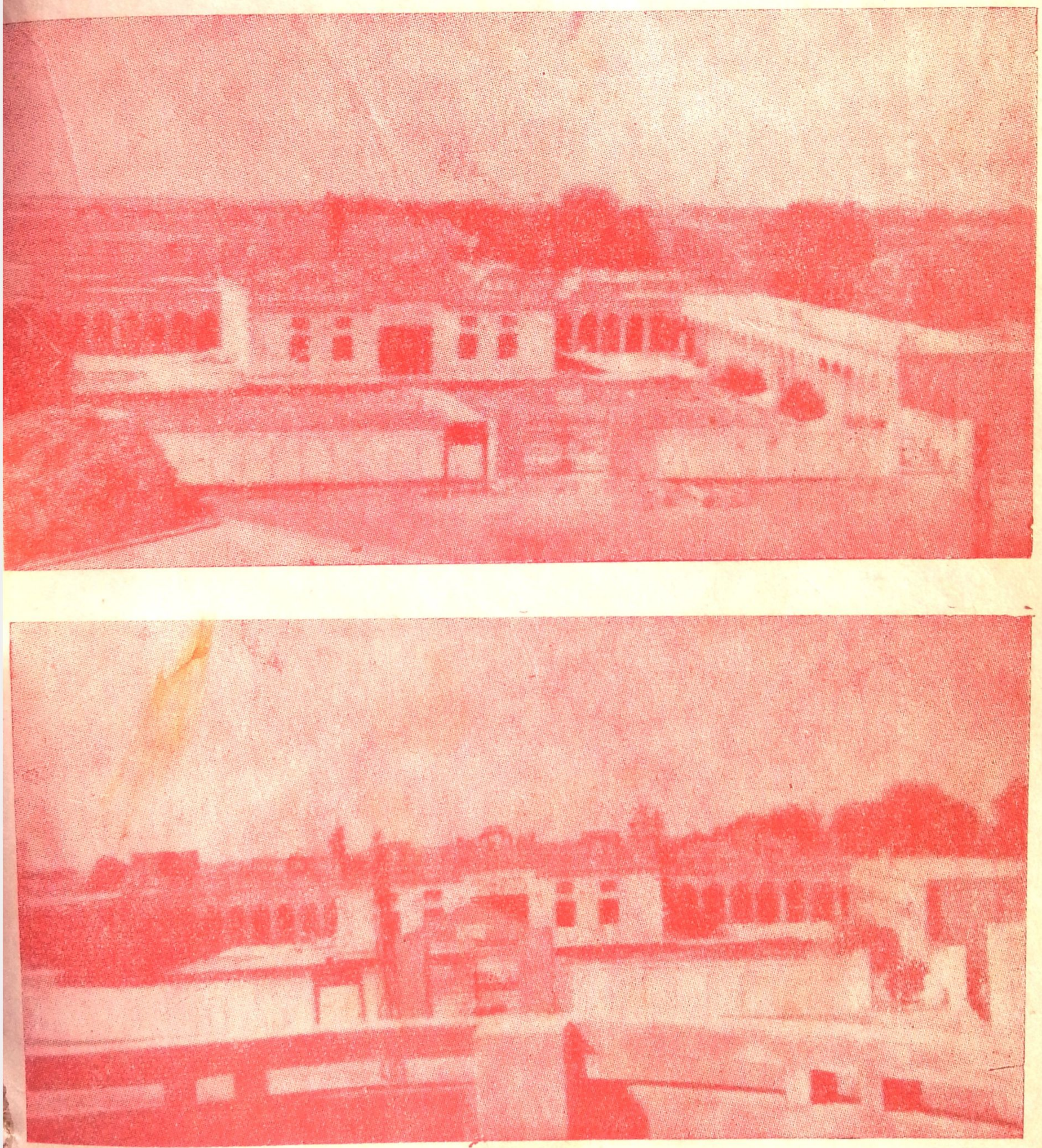

جامعہ مدنیّہ کریم پارک راوی روڈ لاہور

فون : ۶۲۹۳۲ مستثنیٰ از انکم ٹیکس زیر دفعہ ۱۵ ڈی